مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

جلد ۳۵ ● ۸ ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ جمعۃ المبارک ۱۳ جنوری ۱۹۸۴ء ● شمارہ ۲۴

## مندرجات



مدیر: حافظ صلاح الدین یوسف
علیم ناصری ایم اے
مجلس ادارت: محمد سلیمان انصاری
سالانہ ـــ ۵۰ روپے
فی پرچہ ـــ ۵۰/۱ روپیہ
ممالک غیر: ۲۰ پونڈ

## اطلاعات و اعلانات

## دردمندانہ اپیل

احباب جماعت کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ میرا جوان سال بیٹا ضیاء اللہ بعمر ۱۷ سال طویل علالت کے بعد ۸ اکتوبر ۱۹۸۳ء کو وفات پاگیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کی بیماری پر کافی اخراجات ہوئے ہیں۔ -/۱۵۰۰۰ ہزار روپے کا مقروض ہو چکا ہوں جس کی ادائیگی میرے بس سے باہر ہے۔ اہل خیر احباب اہل حدیث سے دردمندانہ اپیل ہے کہ مجھ سے ہمدردانہ تعاون فرمائیں (غمزدہ (قاری) محمد نواز مہتمم جامعہ محمدیہ تعلیم القرآن وارڈ ۱۳ منڈی مویشیاں کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ)

## سالانہ اہلحدیث کانفرنس - پل ایک سیالکوٹ

یہ کانفرنس ۱۳-۱۴-۱۵ اپریل ۱۹۸۴ء بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار ہونا قرار پائی ہے اس لئے احباب جماعت اپنے اجتماعات کے سلسلے میں ان تاریخوں کو ملحوظ رکھیں (العارض۔ شیخ عتیق الرحمن)

## رائے ونڈ میں تبلیغی جلسہ

مین بازار رائے ونڈ میں ۲۵ جنوری بروز بدھ بعد از نماز عشاء عظیم الشان جلسہ فضائل صحابہ منعقد ہو رہا ہے جس میں مشہور علمائے اہل حدیث خطاب فرمائیں گے (انجمن شبان اہل حدیث مین بازار منڈی رائے ونڈ ضلع لاہور)

## اعلان گمشدہ

میرا لڑکا عبدالرؤف عمر ۹ سال، رنگ گورا، زبان سے گونگا۔ اس نے ہلکے نیلے رنگ کی شلوار قمیض اور ہلکے نیلے اور سفید رنگ کا سویٹر۔ سر اور پاؤں سے ننگا، سر پر زخم کا نشان ہے اور پشت کی طرف سر پر چلنے کا نشان۔ ۲۳-۱۲-۸۳ بروز جمعہ گوجرانوالہ میں گم ہو گیا ہے جس صاحب کو ملے اس پتے پر اطلاع دیں۔

۱۔ محمد یوسف ولد محمد عبداللہ قوم کھوکھر موضع چھابیاں چک RB 2 تھانہ خانقاہ ڈوگراں ضلع شیخوپورہ

۲۔ مستری محمد زبیر ولد محمد اسمٰعیل گلی ۶ محلہ مبارک کالونی نزد گھوڑے شاہ حافظ روڈ، گوجرانوالہ (ٹیلی فون ۵۶۷۲۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفت روزہ

الاعتصام لاہور

جلد ۳۵ — شمارہ ۲۴

۸ ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ — ۱۳ جنوری ۱۹۸۴ء


# علماء کنونشن اور اتحادِ ملت

صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق صاحب جب سے برسرِ اقتدار آئے ہوئے ہیں، اسلام سے محبت کی باتیں بڑے شوق سے کرتے رہتے ہیں۔ خود بھی نماز پڑھتے اور لوگوں کو بھی اس کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ انہوں نے آتے ہی یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہاں اسلامی نظام نافذ کیا جائے گا اور معاشرے کو اسلامی قدروں میں ڈھال کر اس ملک کو صحیح اور مثالی اسلامی مملکت بنا دیا جائے گا کیونکہ یہ ملک اسلام ہی کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اور لوگوں کی اسلام پسندی کے باعث یہاں اسلام کے بغیر دوسرا کوئی نظام نہیں چل سکتا۔ انہوں نے کسی موقع پر یہ بھی کہا تھا کہ میں اور میرے ساتھی اس وقت تک نہیں جائیں گے جب تک یہاں مکمل اسلامی نظام نافذ نہیں ہو جاتا۔

ان کے یہ تمام دعوے ان کے پُرخلوص ارادوں اور دینی خدمت کے پاکیزہ جذبوں کے آئینہ دار ہیں اور انہوں نے ان پر عملدرآمد کے لئے بعض اقدامات بھی کئے ہیں، جن کا اعتراف ہر محبِ وطن اور صاحبِ شعور شخص کرتا ہے۔ انہوں نے زکوٰۃ و عشر کا نظام نافذ کیا، بلاسود بنکاری کو رائج کیا۔ اور بعض تعزیری قوانین بھی نافذ کئے۔ یہاں ہم اس پر بحث نہیں کرنا چاہتے کہ یہ تمام قوانین کہاں تک اسلام کے صدرِ اول کے نظام سے ہم آہنگ ہیں اور ان پر کما حقہٗ عمل ہو رہا ہے یا نہیں کیونکہ صدر محترم خود بھی اس بات کے معترف ہیں کہ ان تمام قوانین پر حقیقی عمل نہیں ہو رہا اور نفاذِ اسلام کی رفتار بھی نہایت سست جا رہی ہے۔ آج کی محفل میں ہم علماء کنونشن منعقدہ ۴، ۵ جنوری ۱۹۸۴ء کا جائزہ لینا چاہتے ہیں اور اس میں خصوصاً صدرِ گرامی کی تقریر کے اُس پہلو پر اپنی معروضات پیش کرنا چاہتے ہیں جس میں انہوں نے فرمایا ہے:-

"اسلام اتحاد اور وحدانیت کا مذہب ہے۔ اسلام نے ہمیشہ اختلافات کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے دوستی اور اتحاد کا درس دیا ہے ——— اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی شخص دوسروں کے جذبات سے کھیلے یا مختلف مکتبہ ہائے فکر سے تعلق رکھنے والوں پر تنقید کرے۔ اگر گروہ بندی کو جائز قرار دیا جاتا ہے۔ تو یہ علماء کا کام ہے کہ وہ اس پر اپنی رائے دیں کیونکہ لوگوں کا تعلق مختلف طبقۂ فکر سے ہے ...... علماء کو چاہیئے کہ وہ خود ایک ضابطۂ اخلاق بنائیں ...... بعض اوقات ہم اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی بجائے ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالتے ہیں اور دوسروں کے خلاف باتیں کرتے ہیں۔ اسلام کو غیر مسلموں سے کبھی نقصان نہیں پہنچا بلکہ خود مسلمانوں

کی صفوں میں عدم اتحاد سے نقصان ہوا ........!!

صدرِ محترم کی طویل تقریر کا یہ حصہ ان کے ان جذبات کا آئینہ دار ہے کہ مسلمانوں کے تمام طبقہ ہائے فکر میں اتحاد اور رواداری قائم ہونی چاہیے، اور ایک دوسرے پر کیچڑ نہیں اُچھالنا چاہیئے۔ اس کا واضح مطلب ہے کہ کسی طبقۂ فکر کو دوسرے طبقۂ فکر کے نظریات پر اعتراض نہیں کرنا چاہیئے اور مختلف عقائد رکھنے کے باوجود باہمی میل ملاپ قائم رکھنا چاہیئے۔

بلاشبہ یہ جذبات قابلِ قدر ہیں اور اسلامی تعلیمات کا مقصد بھی یہی ہے کہ ملّت اسلامیہ میں بُنیانِ مرصوص کی سی کیفیت ہونی چاہیئے مگر ہم صدرِ گرامی کی خدمت میں یہ گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ یہ ذمہ داری علمائے وقت کے ساتھ ساتھ آپ کے اپنے کندھوں پر کہیں زیادہ ہے۔ آپ چونکہ اسلامی قوانین کے نفاذ میں ایک مخلصانہ جذبہ رکھتے ہیں اور تمام مکتبہ ہائے فکر کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے متمنی ہیں تو اس کے لئے آپ کو جرأت اور مسلسل عملی اقدامات کی سخت ضرورت ہے۔ حکومت کے پاس وہ تمام وسائل موجود ہیں جن کو بروئے کار لاکر وہ عوام النّاس کو عقیدہ اور عمل کے لحاظ سے ایک پلیٹ فارم پر جمع کر سکتی ہے۔ علماء کو اسلام آباد میں ایک کنونشن ہال میں جمع کرکے وعظ کہہ دینے اور پھر ایک دستر خوان پر "بڑے کھانے" میں خوش گپیوں کے مواقع فراہم کر دینے سے وہ مقاصد حل نہیں ہو سکتے جو آپ کے شعور یا تحت الشعور میں ہیں۔ یہ ایک نہایت آسان بات ہے کہ سٹیج پر کھڑے ہو کر مثبت انداز میں اتحاد کی دعوت دے دی جائے اور عقائد کے اختلافات کو محض "فروعی اختلافات" کہہ کر نظر انداز کر دیا جائے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ آپ تمام مکاتبِ فکر کے علماء کو عقائد میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے ایک "کنونشن" میں جمع کریں۔ ان کے سامنے کتاب و سُنّت کی میزان رکھیں اور پھر ان کو مجبور کریں کہ وہ اپنے اور اپنے پیروکاروں کے عقائد و اعمال کو اس میزان پر تول کر پورا کریں۔ اس وقت کتاب و سُنّت سے جتنا انحراف پاکستان میں پایا جاتا ہے وہ غالباً کسی دوسرے ملک میں نہیں۔ (اس سے ہماری مراد وہ ملک ہیں جو اسلامی ممالک کہلاتے ہیں اور سوشلزم یا سیکولرزم کے داعی نہیں) ........ اور پھر اس کنونشن کو اس وقت تک برخاست نہ کریں جب تک علماء اپنے عقاید کو کتاب و سُنّت کے واضح عقائد کے مطابق قائم کرنے کا اعلان نہ کریں۔ اور ملک میں غیر شرعی اور غیر اسلامی حرکات و اعمال کو ترک کر دینے کا وعدہ نہ کریں ........

....... یہاں اسلامی نظام نافذ کرنے اور صحیح اسلامی مملکت قائم کرنے کا کوئی دوسرا نسخہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ ہماری ان معروضات کو "وہابیہ" مشورہ کہہ کر نظر انداز نہیں کر دیا جائے گا ........ اگر آپ یہ کام کر گزریں تو سب سے بڑی دینی خدمت ہوگی۔ اور آپ کے اسلامی نظام کے نفاذ کے دعووں کی کامیابی کی ضامن ہوگی۔

// (علیم ناصری)

مولانا حافظ عبدالحمید ازہر فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ　　(قسط ۲)

# فنِ نقدِ حدیث پر مولانا اصلاحی کی کرم فرمائیاں

مولانا اصلاحی صاحب کا کمال صرف اس قدر ہے کہ انہوں نے اپنے مطالعہ و فہم کے ان خلاؤں کو سند کے خلا بنا کر پیش فرما دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے "سند کی تحقیق میں جو خلاء باقی رہ جاتے ہیں وہ معمولی غور و تدبر سے سمجھ میں آجاتے ہیں"۔ حضرت نے انتہائی کسرِ نفسی کا مظاہرہ فرمایا ہے ورنہ اس دور کی کوڑی پر تو شاخت[1]، اور "زیھر" جیسے خوردہ بین و خوردہ گیر مدبرین کی نظر بھی نہیں پڑسکی تھی۔ حضرت کی نگاہ دوربین کی داد دیجئے فرماتے ہیں: "پہلا خلا اس میں یہ ہے کہ اپنے تعلق اور علاقہ سے بعید ہزاروں بلکہ لاکھوں آدمیوں کے عقیدہ و کردار اور ان کے علم و عمل اور ان کے تعلقات و معاملات کی ایسی تحقیق کہ ان کے متعلق یہ طے کیا جاسکتا ہے کہ علم رسول کے حمل و نقل کے باب میں ان پر اطمینان کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ کوئی آسان کام نہیں"۔

حضرت کو غلط فہمی ہوئی۔ کتبِ رجال میں منقولہ جرح و تعدیل کا ایک ایک جملہ اپنے قائل تک سند کے ساتھ مروی و موجود ہے اور یہ اقوال درحقیقت انہیں ماہرینِ فن کے ہیں جنہوں نے ان راویوں کو جانچا پرکھا ان کے طریقِ تحمل اور اسلوبِ ادا کو کسوٹی پر رکھا۔ اُن کی روایات کو دوسروں کی مرویات کے بالمقابل رکھ کر موازنہ کیا اور علمی (سائنٹیفک) اصولوں اور منقح ضابطوں پر اپنی تحقیق کی بنیاد رکھی۔ متأخرین علماء رجال بھی متقدمین کی انہیں آراء پر اپنے فیصلے کرتے ہیں۔ کسی کی تحقیق سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ ابن حبان کی کتنی ہی آراء پر ذہبی نے تنقید کی ہے البتہ یہ اختلاف و تنقید اصولوں پر مبنی ہونا چاہیئے۔ لیکن مولانا اُمتِ مسلمہ کے اس خصوصی فن کے خلاف ایسے خدشات کا اظہار کر رہے ہیں جن کی سرے سے بنیاد ہی نہیں بلکہ جوشِ تنقید میں ان کو اپنے خیالات کا تضاد بھی محسوس نہیں ہوا۔ سند کی اہمیت بیان کرتے ہوئے انہوں نے اسے مسلمانوں کا عظیم کارنامہ قرار دیا۔ لیکن خلانوردی پر نکلے تو فرمایا: "اس قسم کی تحقیق کے بارے میں محتاط رائے یہ ہوسکتی ہے کہ فی الجملہ ہمیں ان لوگوں کے کوائف معلوم ہیں اور ان کی شخصیتیں مجہول نہیں رہیں"۔

آپ فرمائیے ایسے محدود فوائد کے علم کو مسلمانوں کا خاص فن اور عظیم کارنامہ کون باور کرے گا؟ مزید گزارش یہ ہے کہ نقدِ حدیث محض نظری نہیں بلکہ تطبیقی علم ہے۔ مولانا کی اس نادر تحقیق کا مستفاد تو یہ ہے کہ شعبہ و زہری نیز نوح ابن ابی مریم اور جابر جعفی کے متعلق ائمہ نقاد کی بے نظیر کاوشوں کا ثمرہ صرف اس قدر ہے کہ ہمیں معلوم ہوگیا کہ اس نام کے کچھ افراد ہو گذرے ہیں۔ البتہ یہ سمجھنا کہ اوّل الذکر دونوں حضرات امیر المؤمنین فی الحدیث اور مؤخر الذکر دونوں بزرگ متروک الحدیث ہیں۔ مولانا کی تحقیق کے مطابق بے احتیاطی ہے۔ زمانہ حاضر میں اس کی مثال یوں ہوگی کہ نئی نسل جس نے مولانا عبدالحمید فراہی (مع غایۃ الاحترام لہ) کا زمانہ نہیں پایا۔ اور ان کے متعلق صرف مولانا اصلاحی کے مضامین میں پڑھا ہے یا ان کی تصانیف کا مطالعہ کیا ہے۔ ان حضرات کو حضرت فراہیؒ کے متعلق صرف اتنی رائے قائم کرنی چاہیئے کہ وہ مولانا شبلیؒ کے ماموں زاد بھائی تھے۔

[1] "شاخت" اور "زیھر" دونوں مستشرقین کے نام ہیں (الاعتصام)

اور ضلع اعظم گڑھ کے ایک گاؤں میں ۱۳۲۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اور اگر کوئی یہ سمجھے کہ وہ علوم قرآن میں نادرۂ روزگار اور علوم عربیہ میں نابغہ تھے تو وہ اپنی معلومات اور ذریعۂ معلومات پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کر رہا ہے۔

مولانا نے سند کی جو عظمت، محاسن، لطائف اور اہمیت بیان فرمائی تھی۔ اس اصول کے ذریعہ بیک قلم علی حِیْنِ غَفْلَةٍ من ادارۃ تدبر قرآن والحدیث واپس لے لی وھم لا یشعرون۔

مزید نکتہ آفرینی اس طرح فرمائی ہے "آدمی کے کردار واخلاق کے معاملے میں قابلِ اطمینان رائے ایسی صورت میں قائم کی جا سکتی ہے جب معاملات میں اس طور سے سابقہ پڑا ہو" مولانا کا یہ ارشاد بالکل بجا ہے لیکن کاش وہ اس وعظ میں اپنی زیرِ نگرانی لکھنے والوں کو بھی مخاطب فرماتے۔ امام اعمش رح کے متعلق ان کے جلیل القدر تلامذہ شعبہ وسفیان بن عیینہ کے پُر از مدح وتوصیف اقوال کی پروا کئے بغیر ان پر جو اصحاب مولانا اصلاحی کی قیادت میں زبانِ طعن دراز کر رہے ہیں ان سے بھی پوچھا ہوتا۔ کیا یہ حضرات امام اعمش رح کے پڑوس میں رہے؟ ان کی ہمسفری کا شرف پایا؟ یا کسی قسم کا ربط وضبط ان سے رہا؟ ع توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند

سند کی تحقیق کا دوسرا خلا مولانا کے نزدیک یہ ہے کہ "ہر محقق یہ نہیں جانتا کہ جرح کس چیز پر ہوتی ہے اور تعدیل کس چیز پر ہونی چاہیئے"

حضرت نے یہ اعتراض کرنے سے پیشتر اگر مصطلح الحدیث کی کوئی کتاب دیکھنے کی تکلیف فرمائی ہوتی تو ان پر اپنے خیالات کی سطحیت آشکار ہوئے بغیر نہ رہتی۔ ان کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ اہل حدیث ایک طرف تو ائمہ جرح وتعدیل کے تساہل وتشدد کو ملحوظ رکھتے ہیں دوسری طرف جرح مبہم کا مطلقاً اعتبار نہیں کرتے (ملاحظہ فرمائیے مقدمہ ابن الصلاح، علوم الحدیث لابن کثیر، تدریب الراوی، الروض الباسم، الرفع والتکمیل وغیرہ) لیکن مولانا ان حقائق سے بے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں "جرح وتعدیل کا تمام علم نقاہت، بصیرت، تجربے اور معقولیت کا متقاضی ہے" حضرات! ائمہ جرح وتعدیل یعنی شعبہ۔ ابن عیینہ۔ ابن معین۔ ابن حنبل بخاری ومسلم میں سے بتائیے کس میں یہ اوصاف بدرجہ اتم موجود نہ تھے۔

مولانا کی ان غلط فہمیوں کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ ازدھارِ علوم کے اس زمانہ کو موجودہ حالات پر قیاس کرتے ہیں چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں "موجودہ دور کے غلوئے عقیدت ومحبت سے اس مشکل کا سرسری اندازہ لگایا جا سکتا ہے"

کتب جرح وتعدیل پر واجبی نظر رکھنے والا طالب علم بھی اس امر سے بخوبی واقف ہے کہ ائمہ نقادِ حدیث نے زیرکی معاملہ فہمی کے ساتھ ساتھ بے تعصبی اعتدال وحقیقت بیان کی مثالیں قائم کر دی ہیں۔

امام علی ابن المدینی نے اپنے والد کو ضعیف قرار دیا۔ تو امام ذہبی نے ابان بن تغلب کو پکا شیعہ قرار دینے کے باوجود قابلِ اعتماد سمجھا۔ میزان (۱/۵) میں فرماتے ہیں۔ شیعی جلد لکنہ صدوق فلنا صدقہ وعلیہ بدعتہ۔ یعنی فی نفسہ سچا اور راست گفتار ہے۔ ہمیں اس کی سچائی سے کام ہے۔ رہی اس کی بدعت تو اس کا وبال خود اسی پر ہوگا"۔

یہ امور اگر مولانا کی نظر سے اوجھل رہے ہیں تو انتہائی تعجب کی بات ہے اور اگر وہ اس سے اغماض فرماتے ہیں تو اس سے بھی زیادہ حیرت وافسوس کی بات ہے۔

اِنْ کُنْتَ لَا تَدْرِیْ فَتِلْکَ مُصِیْبَةٌ
وَاِنْ کُنْتَ تَدْرِیْ فَالْمُصِیْبَةُ اَعْظَمُ

اس "خلا" کی وضاحت کر چکنے کے بعد مولانا نے تان اسی بات پر توڑی ہے "محتاط طرزِ عمل یہ ہے کہ سلسلہ روایت یعنی سند کے راویوں کے متعلق اس فن کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں فی الجملہ ایک رائے قائم کی جائے لیکن اس رائے کو

قطعیت کا یہ رنگ نہیں دیا جا سکتا کہ کسی حدیث کی صحت کا معیار اس رائے کو ٹھہرا لیا جائے"

مولانا اور اُن کے متوسلین اطمینان رکھیں۔ حدیث نبویؐ کے متعلق اہل حدیث کا حزم و احتیاط مولانا اور ان کے نوجوان ساتھیوں کے تصور سے کہیں فزوں تر ہے۔ اہلحدیث جانتے ہیں کہ انسان انسان ہی ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کے نزدیک کسی راوی کے ثقہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی ہر روایت آنکھیں بند کرکے قبول کر لی جائے اور نہ کسی کے واہم اور قلیل الحفظ ہونے کا یہ تقاضا ہے کہ اس کی تمام مرویات دیوار سے دے ماری جائیں۔

شعبہ بن الحجاج امراء المومنین فی الحدیث میں سے ہیں۔ لیکن ان کی ایک روایت (جس میں آمین کے متعلق خفض بھا صوتہ کے الفاظ ہیں) پر امام بخاری فرماتے ہیں۔ اس حدیث میں شعبہ نے تین مقامات پر غلطی کی ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے جامع الترمذی مع التحفۃ الاحوذی ۱/ ۲۰۹)

امام زہری (وھو من ھو) کا وہم حدیث ذی الیدین میں طلاب حدیث پر مخفی نہیں ہے۔ اور نہ ان حضرات کی جلالت قدر و علوِ مرتبت نے تنقید کا راستہ روکا۔

اس کے بالمقابل حاتم بن اسماعیل المدنی کے متعلق تقریب میں ہے صَدُوْقٌ یَّھِمُ اس کے باوجود شیخین نے ان کی روایت کردہ احادیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ عبداللہ بن المثنیٰ کے متعلق حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں صَدُوْقٌ کثیر الغلط۔ لیکن ان کی بعض روایات بخاری کی الجامع الصحیح میں جگہ پاتی ہیں۔ عبداللہ بن عطا الطائفی کے متعلق تقریب میں ہے۔ یُخْطِئُ وَیُدَلِّسُ۔ لیکن ان کی خطا و تدلیس سے محفوظ احادیث صحیح مسلم میں موجود ہیں۔

بحمداللہ اہل حدیث اللہ کی توفیق و تائید سے مولانا اصلاحی کے مشورہ دینے سے پہلے صدیوں سے دادِ تحقیق دیتے آ رہے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ مولانا تحصیل حاصل بھی اس شانِ تدبّر سے فرماتے ہیں کہ ادارہ تدبرِ قرآن و حدیث کے سادہ لوح ارکان باور کر لیتے ہیں کہ انہیں کوئی نادر تحفہ عطا کیا جا رہا ہے۔ وَكُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ

سند کی تحقیق میں تیسرا خلا جناب اصلاحی صاحب کو یہ دکھائی دیا ہے کہ "ائمہ حدیث نے اہل بدعت خصوصاً شیعہ اور روافض سے روایات لینے میں بڑی مسامحت برتی ہے" کسی نے سچ ہی کہا ہے۔ ولکن عین السخط تبدی مساویا۔

مولانا اگر اعتدالِ اعصاب کے ساتھ غور فرماتے تو یہ امر اہلحدیث کے عدم تعصب اور انصاف کی دلیل تھا اور اس بات کا منہ بولتا ثبوت کہ محدثین صرف راویوں کو ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ متون کو بھی پرکھتے ہیں جو روایت ان کے معیار پر پوری اُترے اس کو قبول کرتے ہیں خواہ اسے روایت کرنے والا اُن کے مخالف مکتب فکر سے ہی تعلق رکھتا ہو۔ اور جو حدیث ان کے اصول و ضوابط کے مطابق پایۂ ثبوت کو نہ پہنچے اسے رد کر دیتے ہیں خواہ اسے روایت کرنے والا امیر المومنین فی الحدیث ہی کیوں نہ ہو۔

مولانا اس خوبی کو بھی عیب بناتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "یہ لوگ دوسرے معاملات میں تو بڑے بیدار ثابت ہوئے لیکن صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملے میں انہوں نے واقعی چشم پوشی سے کام لیا" مولانا کو غصّے میں اتنا بھی یاد نہیں رہا کہ پچھلے صفحہ میں انہوں نے "انسانی جبلت میں موجود تعصب کے شائبہ" کو سند کا خلا بنا دیا تھا۔ اور یہاں یہ شکایت ہے کہ محدثین نے مخالف مکاتب فکر والوں کی روایت کیوں قبول کی؟ اہلحدیث کا موقف اور ان کے دلائل سُنے بغیر مولانا فیصلہ صادر فرماتے ہیں۔ "واقعہ یہ ہے کہ از روئے قرآن و از روئے حدیث درحدیث کے مجموعی تقاضے کے لحاظ سے مجرد اہل بدعت کے گروہ سے ہونا ضعف کے لئے کافی ہے۔"



(باقی ص۱۱ پر)

(قسط ۳)

تحریر: مولانا غلام رسول مہر مرحوم
تلخیص: ادارہ محدث۔ بنارس

# مشہدِ بالاکوٹ

## (۴) آغازِ جنگ

صدائے تیغ تو آمد بہ بزم زندہ دلاں
کدام سر کہ در و ذوق ایں سرود نہ ماند

**مسجد زیریں سے حملہ**

سید صاحب مسجدِ زیریں پہنچے تو مسجد کا صحن غازیوں سے بھرا ہوا تھا بعض باہر کھڑے تھے بعض دائیں جانب کی گلی میں تھے۔ سید صاحب وہاں کچھ دیر ٹھہرے رہے۔ اس وقت سکھوں کی گولیاں اولوں کی طرح برس رہی تھیں۔ بعض غازی زخمی ہو گئے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ کواڑوں کی اوٹ بنالی جائے۔ چنانچہ کچھ غازی کواڑ اٹھا لائے۔ اور اوٹ بنانے میں لگ گئے۔ عام خیال یہی تھا کہ مسجد میں ٹھہر کر ان سکھوں کے نیچے پہنچنے کا انتظار کریں گے جو پہاڑ پر سے اُتر رہے تھے۔ اس اثناء میں آپ نے مسجد کے کونے کی آڑ سے سکھوں کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ قرابین دار اور لمبی مار کی بندوق والے ہمارے آگے چلیں۔ یہ فرماتے ہی تکبیر کہتے ہوئے تیزی سے باہر نکلے اور مٹی کوٹ کے ٹیلے کی طرف چل پڑے۔ اس پر سب کو تعجب ہوا۔ اس لیے کہ لڑائی کی جو اسکیم پہلے طے ہو چکی تھی وہ یہ تھی کہ جب تک سکھ نشیب میں نہ پہنچ جائیں ان پر حملہ نہ کیا جائے۔ وہ ابھی نشیب سے دُور تھے کہ خود سید صاحب نے حملہ کر دیا۔ مولوی جعفر علی نقوی بھی قرابین دار تھے اس لیے سید صاحب کے حکم کے مطابق ساتھ ہو گئے۔ مولوی احمد اللہ سے انہوں نے کہہ دیا کہ اب آپ اپنی جماعت کو سنبھال لیں۔

یہاں تک تمام راوی فی الجملہ متفق ہیں اس کے بعد بیانات میں کم و بیش اختلافات ہیں کیونکہ سب لوگ آخر تک آپ کے ہمراہ نہ جا سکے تھے۔ تمام بیانات سے جو مجموعی صورتِ حال سامنے آتی ہے اُس کا ملخص یہ ہے کہ سید صاحب آدھی گھڑی (دس بارہ منٹ) مسجدِ زیریں میں ٹھہر کر بلند آواز سے تکبیر کہتے ہوئے حملہ آور ہوئے۔ دادا ابوالحسن سے فرمایا کہ نشان لے کر ہمارے آگے آگے چلو۔ اس وقت ارباب بہرام خاں آپ کے سامنے سپر بنے ہوئے چل رہے تھے۔ مولانا شاہ اسماعیل نے فرمایا کہ قرابین دار سید صاحب کے گرد و پیش رہیں۔ پچیس تیس قدم پر کھیت میں ایک بڑا پتھر زمین سے نکلا ہوا تھا۔ اس کی آڑ میں جا کر آپ ٹھہرے۔ ارباب سے فرمایا۔ دل چاہتا ہے کہ سکھوں کا جو گروہ نیچے اتر آیا ہے اس پر حملہ کر دیا جائے ارباب نے عرض کیا جو لوگ نیچے آ چکے ہیں انہیں مار لینا مشکل نہیں لیکن جو ابھی تک پہاڑ پر ہیں یا پہاڑ سے اتر رہے ہیں ان پر یورش کی کیا صورت ہے؟ فرمایا بہتر ہے بڑے گروہ کو نیچے آ لینے دیں۔

لیکن سید صاحب ایک لمحہ توقف کے بعد یکبارگی بہ آوازِ بلند تکبیر کہتے ہوئے حملہ آور ہو گئے۔ اس

سرعت سے اس وقت جاتے تھے جیسے شیر شکار پر جاتا ہے جن کھیتوں میں رات کو چشمے کا پانی چھوڑ دیا تھا ان کی مینڈوں پر سے تیزی کے ساتھ گذرے۔ پھر درجہ بدرجہ کھیتوں پر پہنچے۔ کھیتوں کا پٹ کوئی کمر تک بلند تھا، کوئی سینے تک۔ یہ کھیت اوپر سے نیچے تک کوئی چالیس پچاس چھوٹے بڑے ہوں گے۔ سید صاحب ان کھیتوں پر کود کود کر درجہ بدرجہ چڑھتے ہوئے تیزی کے ساتھ اس مقام پر پہنچ گئے جو مٹی کوٹ کے دامن میں سکھوں کی نزول گاہ سے قریب تھا۔ اور جہاں بڑے بڑے پتھروں کی آڑ مل سکتی تھی، یہیں سکھوں کا زیادہ اجتماع تھا اور انہیں پر حملہ مقصود تھا جو غازی آپ کے ساتھ مسجد سے نکلے تھے وہ سارے ساتھ نہ رہے۔ دو دو چار چار دس دس ہو کر بکھر گئے، ہر گروہ نے اپنے لئے اوٹ کی مناسب جگہ تلاش کر کے لڑائی شروع کر دی۔ سید صاحب ایک پتھر کی اوٹ میں غالباً اس مقام سے قریب تھے جہاں سے مٹی کوٹ کا نالہ پہاڑ پر سے اترتا ہے۔ لڑائی کی کیفیت کے متعلق میاں عبدالقیوم داروغہ باورچی خانہ کہتے ہیں۔

"ہم لوگ وقت بٹّے کے ان (درجہ بدرجہ کھیتوں) پر چڑھ کر جاتے تھے اور سکھ اتر کر ہماری طرف آتے تھے اور حضرت امیر المؤمنین اس پتھر کی آڑ میں اس نیت سے ٹھہرے تھے کہ جب سکھوں کا ہلّہ بہت نزدیک آوے تب ایک باڑھ قرابینوں کی مار کر تلوار سے لڑیں۔ پھر حکمتِ الٰہی سے یونہی معاملہ ہوا کہ جب ان کا ہلہ اوپر سے اترتے اترتے پندرہ بیس قدم کے فاصلے پر آیا تب یکبارگی تکبیر کہہ کر ایک باڑھ بندوقوں والوں نے ماری اور بعد ان کے دوسری باڑھ قرابین والوں نے ماری۔ ان دونوں باڑھوں میں بے شمار کفار واصل دارالبوار ہوئے اور باقی منہزم ہو کر اوپر کی طرف بھاگے۔ ادھر سے غازیوں نے اپنے اپنے ہتھیار لے کر ان کا تعاقب کیا۔ کوئی تو تلوار سے کوئی گنڈاسے سے اور پتھروں سے کوئی بندوق وغیرہ سے ان کو مارنے لگا۔ باقی بھاگتے بھاگتے پہاڑ کی جڑ میں جا پہنچے [1]

میاں لکھمیر فرماتے ہیں کہ "دھان کی کیاریوں میں پہنچے اور تلوار چلنی شروع ہو گئی۔ اس وقت یہ حال تھا کہ جو سکھ غازیوں کے مقابلے پر تھے ان کے ہاتھوں اور بدنوں پر رعشہ پڑ گیا۔ بندوقیں نہ چلا سکے۔ غازی لوگ ایک ہاتھ سے ان کی بندوق پکڑتے۔ دوسرے ہاتھ سے تلوار مارتے اور قرابین مارتے تھے اور سکھ پیچھے ہٹتے ہٹتے پہاڑ کی طرف چلے جاتے تھے۔ بے شمار سکھ اس وقت مارے گئے" [2]

سید جعفر علی نقوی کا بیان ہے کہ سید صاحب اور آپ کے ساتھی بجلی اور آندھی سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ سکھوں کے سر پر پہنچے، ان میں سے بعض نے نیزہ و شمشیر اٹھانے کا حوصلہ کیا۔ باقی بھاگے لیکن راہ گریز کہاں تھی۔ وہ پہاڑ سے نیچے اتر چکے تھے اور دوڑ کر پہاڑ پر چڑھ نہ سکتے تھے۔ بس جتنے نیچے اترے تھے مارے گئے جو سکھ اوپر تھے وہ گولیاں چلا رہے تھے ان کی گولیاں نہ اپنوں کو چھوڑتی تھیں نہ بیگانوں کو۔ گولیاں اولوں کی طرح برس رہی تھیں۔ کارتوس کے کاغذ ہوا میں اڑ رہے تھے۔ دونوں طرف سے ایک دوسرے پر پتھر بھی پھینکے جا رہے تھے۔ میں اور منشی محمدی انصاری اس وقت موقع پر پہنچے جب تھوڑے سے سکھ زندہ تھے وہ بھی طرفۃ العین میں مارے گئے" [3]

میاں عبدالقیوم بتاتے ہیں کہ سکھ افسر نے یہ حالت دیکھ کر ترم بجایا اور اس آواز میں کچھ کہا، سکھ پھر پلٹے، اور

---

[1] وقائع - ۳/ ۲۰۳

[2] وقائع ۳/ ۲۴۶ - ۲۴۸

[3] منظورہ ص ۱۱۸۶ - ص ۱۱۸۷

غازیوں پر باڑھیں مارنے لگے۔ میاں لکھیر کہتے ہیں کہ وہ پلٹے تو ہمارے بائیں جانب سے آنے لگے۔ اس وقت میاں لکھیر کے ساتھ کل آٹھ آدمی تھے۔ حضرت علیہ الرحمۃ نے ہم آٹھوں سے فرمایا کہ ان سکھوں کو مارو۔ ہمارے پیچھے کی طرف نہ آنے پائیں۔ پھر ہم آٹھ آدمی کھیت کی مینڈ کی آڑ میں ہو کر بندوقیں مارنے لگے، وہ تمام سکھ اپنی جگہ پر رکے رہے اور حضرت امیر المومنین علیہ الرحمہ مارتے ہوئے ہم لوگوں سے آگے بڑھ گئے۔ محمد امیر خاں قصوری کے بیان کے مطابق سید صاحب کے حملے نے بقیہ السیف سکھوں کو پہاڑ کی جڑ میں پہنچا دیا تھا، وہ پہاڑ پر چڑھ رہے تھے۔ غازی ان کی ٹانگیں پکڑ پکڑ کر کھینچتے اور تلواریں مار مار کر ختم کرتے جاتے تھے[1]

اس لڑائی کے وقت کوئی سوا پہر دن چڑھا ہوگا ایک روز پیشتر بارش ہوئی تھی لیکن لڑائی کے وقت مطلع صاف تھا اور دھوپ نکل آئی تھی تاہم بارود کا دھواں اتنا زیادہ تھا کہ تھوڑے فاصلے پر آدمی نظر نہ آتا تھا اور دس قدم سے آگے کی کوئی چیز دیکھی نہ جا سکتی تھی۔ کارتوسوں کے کاغذ ہوا میں اس طرح اڑتے تھے جیسے تیتریاں اُڑا کرتی ہیں۔ ہوا مٹی کوٹ کی طرف سے بالاکوٹ کی طرف چل رہی تھی۔ اور سکھوں کی بندوقوں کا دھواں غازیوں کی طرف آ رہا تھا سید صاحب اکثر غازیوں سے آگے نکل گئے تھے۔ پھر کسی نے انہیں پیچھے آتے نہ دیکھا۔

## (۵) مشہد بالاکوٹ

چوں شہید عشق در دنیا و عقبیٰ سرخروست
اے خوش آں ساعت کہ مارا گشتہ زیں میداں برند

### سید صاحب

سید صاحب سکھوں کو مارتے اور ان کا تعاقب کرتے ہوئے مٹی کوٹ کے دامن میں پہنچ گئے۔ پہاڑ پر سے گولیاں اور پتھر بارش کی طرح آ رہے تھے۔ آپ مٹی کوٹ کے نالے میں بیٹھ گئے۔ منہ قبلے کی طرف تھا یعنی جانب مغرب ایک ہاتھ میں تلوار تھی۔ دوسرے میں بندوق۔ حافظ وجیہ الدین باغپتی کا بیان ہے کہ میں بھی "بندوق لگاتے لگاتے ایک نالے پر جا پہنچا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ چند آدمیوں کے ساتھ حضرت امیر المومنین بیٹھے ہوئے بندوقیں چلا رہے ہیں اور آپ کے قریب کئی لاشیں شہیدوں کی پڑی ہیں اس وقت حضرت نے میرے روبرو داہنی چھاتی پر بندوق جما کر فیر کی تو مجھ کو آپ کے داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی یا اس کے پاس والی انگلی میں خون تازہ نظر آیا۔ میں نے اپنے قیاس سے معلوم کیا کہ شاید آپ کے مونڈھے میں گولی لگی ہے۔ اسی کا خون آپ کی انگلی میں بندوق چھاتی پر رکھنے کے وقت لگ گیا ہے مگر یقینی اپنی آنکھ سے زخم نہیں دیکھا۔ اور آپ کی جانب چپ اس نالے میں نشیب کی طرف چند قدم کے فاصلے پر سلو خاں دینی قرابین داروں کی جماعت لیے بیٹھے تھے اور آپ کی جانب راست سو قدم کے فاصلے سے لعل محمد قندھاری کا نشان تھا۔ اس وقت اس طرف سکھوں کا غلبہ زیادہ تھا اور اس نشان کو نشان بردار نیچے لیے آتا تھا۔ امیر المومنینؒ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ حملہ کرو۔ میں نے چند قدم نیچے اتر کر سلو خاں سے کہا کہ حضرت فرماتے ہیں حملہ کرو۔ انہوں نے کہا۔ لعل محمد قندھاری کا نشان سکھوں کے غلبے سے نیچے اُترا آتا ہے یہاں سے کیوں کر حملہ کردوں۔

خیر وہ تو وہاں بیٹھے رہے۔ میں وہاں سے اُوپر چڑھنے لگا اور میری بندوق فیر کرتے کرتے آگ سی گرم ہو رہی تھی۔ اور اس وقت خالی بھی تھی۔ میں نے دیکھا کہ تین سکھ میری طرف آتے ہیں۔ میں نے خالی بندوق ان کی طرف اٹھائی وہ مارے ڈر کے وہیں ٹھہر گئے۔ پھر میں آگے بڑھا۔ اس اثنا میں ایک اور سکھ نے میرے اُوپر نیزہ اٹھایا۔ میں نے اپنی تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھا وہ سکھ بھی وہیں ٹھٹھک کر رہ گیا۔ اس عرصے میں میرے بائیں پہلو میں کمر کے اوپر گولی لگی اور دوسری

[1] وقائع۔ ۳/۱۹۱

طرف نکل گئی۔ ادھر سکھ ہلہ کر کے پھر پہاڑ سے نیچے کھیت کی کیاریوں میں آپہنچے۔ پھر میں اور زخمیوں کے ساتھ اس لڑائی کے کھیت سے باہر نکلا۔ بعد اس کے وہاں کا مفصل حال معلوم نہ ہوا البتہ بہرام خان تنولی کا بیان ہے کہ غازیوں نے دشمن کو مار مار کر دامن کوہ تک میدان صاف کر دیا۔ پہاڑ پر چڑھنا دشوار تھا۔ سید صاحب دامن کوہ میں اپنی جماعت میں ایک پتھر پر کھڑے تھے۔ دشمن کی گولیوں کی بوچھاڑ آئی۔ پھر دیکھا تو سید صاحب پتھر پر نہ تھے۔ سب ساتھی بھی شہید ہو گئے۔ مگر میں نے اپنی آنکھ سے انہیں گرتے نہ دیکھا اور نہ ان کی نعش دیکھی۔ نہ ساتھیوں میں سے کسی نے آپ کو گرتے ہوئے یا بے جان پڑے ہوئے دیکھا۔[۲]

مولوی سید جعفر علی نقوی نے بالاکوٹ کے میدان سے نکل کر مختلف ساتھیوں سے سید صاحب کے حالات پوچھے تو معلوم ہوا کہ آپ کی ران میں گولی لگی تھی۔ سر مبارک پر پتھر کا زخم تھا۔ قبلہ رُو بیٹھے ہوئے تھے۔ وہیں نور بخش جراح آپ کی مرہم پٹی کے لیے حاضر ہوا۔[۳]

**خلاصہ** یہ کہ آپ مٹی کوٹ کے نالے میں دامن کوہ کے قریب زندگی کے آخری سانس تک لڑتے رہے۔ اور اسی حالت میں شہید ہو گئے۔ سکھوں کا جو ریلا دوبارہ دھان کے کھیتوں میں آپہنچا تھا وہ غالباً آپ کی شہادت کے بعد۔

## بقیہ: فن نقدِ حدیث

اب اہل نظر اہلحدیث کا نقطہ نظر بھی سن لیں اور فیصلہ فرمائیں کہ اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ۔ اہلحدیث یہ کہتے ہیں کہ:-

۱۔ تمام بدعات ایک درجہ میں نہیں ہیں۔ بعض بدعات کے معتقد و مرتکب کو کافر کہا جاتا ہے اور بعض بدعات پر صرف فسق کا اطلاق ہوتا ہے۔ جبکہ بعض بدعات پر نہ تکفیر کی جا سکتی ہے۔ اور نہ تفسیق کی ہی گنجائش ہوتی ہے۔

۲۔ بدعت مکفرہ کے حاملین کی روایت باتفاق اہلحدیث مردود ہے۔ البتہ اس سے کم تر درجہ کی بدعات کے مرتکبین کی روایت قبول کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ وہ جھوٹ بولنے کو جائز نہ سمجھتے ہوں۔ نیز اس روایت سے اس کی بدعت کو تقویت نہ ملتی ہو۔

قرآن کا حکم بھی اخبار فاسق کے متعلق یہی ہے کہ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا۔ یعنی فاسق کی خبر پر تبیین اور احتیاط کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ اسے بالکل رد کر دینے کا۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ کی بات بہت ہی لائق تدبر ہے۔ فرماتے ہیں۔ بدعت صغری جیسے تشیع میں غلو یا غلو کے بغیر تشیع تابعین میں بکثرت موجود ہے۔ اور وہ اس کے باوصف دیانت و ورع اور راست گفتاری میں قدوہ تھے۔ اگر بدعت صغری کو علت بنا کر ان کی مرویات رد کر دی جائیں تو تمام تر ذخیرہ حدیث سے ہاتھ دھونے پڑیں گے (میزان ۱/۵)

حافظ ذہبی کے بیان میں ذرہ برابر بھی مبالغہ نہیں مولانا اصلاحی مدظلہ جنہیں اصرار ہے کہ "مجرد کسی راوی کا مبتدع ہونا اس کے ساقط الروایہ ہونے کے لئے کافی ہے۔" خود اپنے ہی اصول کی پابندی نہیں فرما سکے۔

اپنی عظیم تالیف تزکیۂ نفس ص ۵۳ پر حدیث حجابہ النور لو کشفہ "لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ مَا انْتَهٰى اِلَيْهِ بَصَرُهٗ" نقل فرمائی ہے۔ لیکن اس کی سند پر قطعی غور نہیں فرمایا کہ ابو معاویہ جو اس کے ایک راوی ہیں مرجئہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ ان کے شیخ امام اعمش ہیں جن کی حیثیت اہل "مدبر" کے ہاں "بطور راوی کچھ زیادہ مضبوط نہیں ہے۔" اسی کتاب کے ص ۵۱ پر حدیث لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّلَدِهٖ وَ وَالِدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ نقل فرمائی۔ اور غور نہیں فرمایا کہ اس کے راویوں میں قتادہ بن دعامہ ہیں جنہیں قدری

---

[۱] وقائع جلد سوم صفحہ ۱۹۲-۱۹۶ [۲] کتاب العبرہ مرتبہ عبدالجبار شاہ ستھانوی ص ۲۶۳ [۳] منظورہ ص ۱۱۹۳۔

تحقیق و تنقید

(قسط ۲۳)

مولانا صغیر احمد شاغف بہاری

# محمدی صراطِ مستقیم بجواب دیوبندی صراطِ مستقیم

**حنفی** روایت سعد بن ہشام

**صحیح مسلم** ............ نہیں بن جاتے۔ ص ۱۶۳/۱۶

**اہلحدیث** ہم بھی آپ کا ساتھ دیتے ہیں اور اس حدیث پر غور کرتے ہیں۔ آپ نے جتنے حوالے دیئے ہیں اس میں ہم اور بھی اضافہ کرتے ہیں۔ صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۱۲ باب جامع صلاۃ اللیل و من نام عنہ أو مرض میں یہ حدیث مطول ہے جس کا آپ نے بھی حوالہ دیا ہے۔

سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۵۱۲ باب فی صلاۃ اللیل میں بھی یہ روایت مطول مذکور ہے جس کا حوالہ آپ نے نہیں دیا ہے۔

سنن نسائی میں یہ روایت آٹھ مقامات پر ہے۔ اور بارہ مرتبہ وارد ہے۔ دیکھئے حدیث رقم ۱۳۱۶، ۱۶۰۲، ۱۶۴۳، ۱۶۵۲، ۱۶۹۹، ۱۷۱۹، ۱۷۲۰، ۱۷۲۱، ۱۷۲۲، ۱۷۲۳، ۱۷۲۴، ۱۷۹۰۔ یہ وہ مقامات ہیں جہاں پر امام نسائی نے اس روایت کو ذکر کیا ہے ان مقامات میں سے دو مقام پر اس روایت کے بعض حصے ہیں جس میں رکعات سے متعلق کوئی ذکر نہیں یعنی رقم ۱۶۴۳ اور رقم ۱۷۹۰۔ اور بقیہ مقامات میں سے صرف رقم ۱۶۹۹ پر وہ روایت ہے جسے آپ نے ذکر کیا ہے لیکن اس کے علاوہ ۹ مرتبہ یہی ذکر ہے کہ آپ بیک سلام کل رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ محلی ج ۳ ص ۴۸ پر وہی روایت ہے جو نسائی نے ۱۶۹۹ پر ذکر کی ہے۔ بقیہ آپ نے جو حوالے دیئے ہیں وہ مستقل ہیں لیکن سب روایتوں میں مرکزی راوی سعید بن أبی عروبہ ہیں۔ سوائے مستدرک کے یعنی مستدرک کی روایت سعید کے بجائے ابان سے اور ابان سے روایت کرنے والے شیبان ہیں۔ اور میں اس روایت پر سند و متن پر مفصل کلام کر چکا ہوں پچھلے صفحات میں دیکھ لیں باقی رہ گئے آپ کے چھ حوالے تو ان سب میں جیسا کہ میں اوپر بتا چکا ہوں اس کا مرکزی راوی سعید بن أبی عروبۃ ہے اور اسی کے شاگردوں میں سے بعض نے یہ الفاظ بیان کئے ہیں اور بعض نے وہی الفاظ بیان کئے ہیں جو مسلم کے الفاظ ہیں۔

اسے کو اس طرح بھی سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ سے روایت کرنے والا سعد بن ہشام اس کے شاگردوں میں کوئی اختلاف واقع نہیں جیسے حسن بصری اور زرارۃ بن اوفیٰ۔ پھر زرارہ اور حسن بصری سے روایت کرنے والے یعنی تیسرے طبقہ میں ہشام بن حسان، حصین بن نافع، قتادہ، ابو حمزہ، اشعث اور بہز بن حکیم ہیں۔ ان میں سے کوئی شخص یہ لفظ بیان نہیں کرتا۔ پھر ان چھ اشخاص سے بیان کرنے والے مثلاً۔ عبدالاعلیٰ، یزید بن ہارون، معمر بن راشد، حماد بن سلمہ، سعید بن أبی عروبہ، ہشام دستوائی، ہمام بن یحییٰ، أبو عوانہ، شعبہ، ابو سعید مولیٰ بنی ہاشم، ہشام بن عبدالملک، ہیثم، خالد بن الحارث وغیرہ ہیں اور پھر ان کے سینکڑوں تلامذہ ہیں۔ ان میں سے صرف سعید بن أبی عروبہ کے بعض شاگردوں نے یہ الفاظ جو حنفی مذہب کے لئے بظاہر

فائدہ مندہے۔ بیان کرتے ہیں۔ اب ہم جب ایک جم غفیر کو دیکھتے ہیں کہ اسے انہی الفاظ کے ساتھ روایت کرتے ہیں جن الفاظ کے ساتھ مسلم شریف میں ہے لیکن چند اشخاص یعنی عبدالوہاب بن عطاء، عیسیٰ بن یونس، بشر بن المفضل، عبدہ بن سلیمان و ابوبدر شجاع بن الولید۔ یہی پانچ اشخاص سعید بن أبی عروبہ سے یہ الفاظ بیان کرتے ہیں۔ علامہ ترکمانی نے اپنی پوری جد و جہد سے جو تلاش کر کے لکھا ہے وہ یہی ہے ترکمانی کے الفاظ ہیں تابع عبدالوهاب علی ذلك عیسیٰ بن یونس و بشر بن المفضل و عبدة و ابوبدر شجاع بن الولید فروہ عن ابن عروة كذلك أما رواية عيسى فقال البيهقي في المعرفة كذا رواه عبدالوهاب بن عطاء و عيسى بن يونس عن ابن أبي عروبة. وأما رواية بشر فاخرجها النسائي وأما رواية عبدة فاخرجها ابن أبي شيبة فقال ثنا عبدة. عن سعيد فذكر بسنده مثل ذلك وأما رواية أبوبدر فاخرجها الدارقطني في سننه. انتهى۔ ج ۳ ص ۳۱-۳۲-

سعید بن أبی عروبہ انتقال سے ۹ یا دس سال قبل مختلط ہو گئے تھے بلکہ ابن ابی عروبہ کے اختلاط میں اختلاف شدید ہے اور ان سے سننے والوں یعنی ان کے تلامذہ میں بھی اختلاف ہے کہ کس نے اختلاط سے قبل سنا ہے اور کس نے بعد اور کس نے دونوں حالتوں میں، لہٰذا ان پانچ آدمیوں نے جو سعید بن أبی عروبہ سے یہ روایت بیان کی ہے اور ایک جم غفیر کے مخالف ہے اس لیے یہ شاذ کے حکم میں ہو کر کالعدم قرار دی جائے گی۔ اسی لئے امام بیہقی نے سنن میں فرمایا۔ ورواه الجماعة عن ابن ابي عروبة عن قتادة وهمام بن يحيى عن قتادة كما سبق ذكره في وتره بتسع ثم بسبع وكذلك رواه بهز بن حكيم عن زرارة بن أوفى، وفي رواية عبدالوهاب ليشبه أن يكون اختصارا من الحديث ورواية أبا (الذي في المستدرك) خطأ والله اعلم۔

وفی مختصر قیام اللیل ص۲۰۹: قال: فهذا عندنا قد اختصره سعيد من الحديث الطويل الذي ذكرناه۔ الخ

اللہ بے شمار رحمت نازل فرمائے ان دونوں پر۔ پیچ ہے حدیث نبوی کو محدث ہی سمجھ سکتا ہے مقلد اسے سمجھنے سے ہمیشہ قاصر رہتا ہے امام بیہقی اور امام مروزی کے اس قول کو ایک مسکین نے اپنی کتاب میں نقل کر کے سخت طنز کیا ہے۔ اللهم عليك بهذا المسكين۔

مسند امام احمد سے جو روایت منقول ہے اس پر پہلے کلام کر چکا ہوں کہ یہ ضعیف روایت ہے۔

اب ان روایتوں میں سے ضعیف اور شاذ روایتوں کو نکال دیں جو قابل حجت نہیں تو پھر ان روایتوں سے جو ایک ہی شخص سے مروی ہیں حسب ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں۔

۱۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سعد بن ہشام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد و وتر کی کیفیت اس طرح بیان کی کہ کبھی آپ ۹ رکعت پڑھتے تھے صرف آٹھویں پر بیٹھ کر تشہد پڑھ کر کھڑے ہو جاتے تھے (۲) اور کبھی ۷ رکعتیں پڑھتے تھے اور چھٹی پر تشہد کے لیے بیٹھتے تھے۔ (۳) ان نو یا سات میں سے صرف ایک رکعت وتر ہوتی تھی۔ اور بقیہ تہجد (۴) وتر کو تہجد سے ملحق کر کے پڑھنے سے جہاں اُمت کے لئے سہولت پیدا کرنا مقصود تھا وہیں اس بات کو بھی واضح کرنا مقصود تھا کہ وتر اور تہجد دونوں مساوی ہیں۔ ان میں سے کوئی واجب وغیرہ نہیں۔ اوپر کی تشریحات کو اگر کوئی تعصب سے نہیں بلکہ سنت پر عمل کرنے کی خواہش و جذبے کی تحت پڑھے گا تو اسے واضح طور پر معلوم ہو جائے گا کہ لدھیانوی صاحب نے تقلید کی محبت

میں آکر حقیقت کو مسخ کرنے کی بے جا کوشش کی ہے۔

سعد بن ہشام نے سوال میں وتر کا لفظ استعمال کیا تھا اور صحابہ رات والی نماز کو وتر سے تعبیر کرتے تھے لہذا حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضورؐ کی رات والی نماز کا تفصیلاً ذکر فرما دیا۔ پس اگر کوئی شخص پہلے ہی سے تین وتر کا مزعومہ اپنے دل میں جما کر احادیث کا مطالعہ کرے گا تو پھر اسے وہی سب کرنے ہوں گے جو طحاوی سے لے کر نیموی اور لدھیانوی تک نے کیا ہے۔ اس کے برخلاف تمام محدثین اپنے دل میں سنتِ نبوی کی پیروی کا جذبہ رکھتے ہیں اس لئے وہ تین، پانچ، سات، نو، گیارہ تیرہ رکعات تک جو احادیثِ صحیحہ سے منقول ہیں اور جن جن طریقوں سے منقول ہیں۔ ان تمام طریقوں سے ان تمام تعدادوں میں سے حسب موقع و محل پڑھتے ہیں اور دوسروں کو بھی اسی کی دعوت دیتے ہیں۔ فسبحان من هداهم الى الصراط المستقيم۔

**حنفی** روایت عروۃ عن عائشۃ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ..... واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔ ص ۱۶۳/۱۶۸

**اہلحدیث** ہم نے حضرت سعد بن ہشام کی روایت پر غیر متعصبانہ غور کیا اور اللہ نے ہدایت دی حق کو پا لیا۔ اب حضرت عروہ کی روایت پر غور کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ حق کی پیروی یہاں بھی مقصود ہے۔ ہمارا کوئی نیا بنایا فقہی ٹولہ نہیں کہ اس کی طرف داری مقصود ہو۔ حضرت عروہ حضرت عائشہ سے صرف ایک ہی واقعہ کے راوی نہیں بلکہ صحاح میں حضرت عروہ عن عائشہ ایک ہزار پچاس حدیثیں مروی ہیں۔ دیکھو مقدمہ تحفۃ الاشراف للمزی جلد ۱۲ ص ۱۱۔

پس حضرت عروہ سے ام المومنین حضرت عائشہؓ نے مختلف اوقات میں حضورؐ کے مختلف معمولات کو بیان کیا اور انہوں نے ہر بیان کو نقل کر دیا۔ پس حضرت عروہ کے مختلف بیانات کو قصہ واحد پر منطبق کر کے اس کی تاویلیں کرنا علم حدیث اور کتب احادیث سے ناواقفیت کے ساتھ ساتھ مقلدانہ تعصب اور حیلہ بھی ہے! العیاذ باللہ۔

پس جس روایت میں حضرت عروہ نے حضرت عائشہؓ سے گیارہ رکعت بیان کی اور اس میں ایک وتر کا ذکر جو صدیقہؓ نے حضورؐ کے معمولات میں سے کسی رات کا معمول بیان کیا تھا۔ ٹھیک اسی طرح بیان کی۔ اور جہاں تیرہ بیان کیا وہ ٹھیک تیرہ ہی ہے اور اس کی تعبیر دو طرح سے جو مذکور ہے وہ مختلف دو راتوں کا واقعہ ہے۔ وغیرہ ذلک۔

اس کے علاوہ جن مقلدانہ تاویل اور قرائن کا ذکر ہے وہ لائق التفات نہیں۔ اسی طرح حضرت عروہ کی طرف منسوب فتویٰ جس پر پچھلے صفحات میں کلام گزر چکا ہے اس کے بعد جو باتیں آپ نے نقل کی ہیں وہ سب طحاوی، معارف السنن اور حواشی زیلعی کا چربہ ہے جس کے جوابات سے علماء اہلحدیث پہلے فارغ ہو چکے ہیں دیکھئے عون المعبود، تحفۃ الاحوذی۔ مرعاۃ المفاتیح وغیرہ حدیث ابن عباسؓ "ثمانیاً جمیعاً وسبعاً جمیعاً" پر کبھی آپ کے بزرگوں نے عمل بھی کیا ہے۔ جب اس حدیث کو قابل حجت ہی آپ کے بزرگوں نے نہیں سمجھا پھر اس سے استدلال کیسا؟ جناب حدیث پر عمل کرنا ہو تو پھر کسی محدث سے حدیث پڑھ لیجئے مطلب سمجھ میں آجائے گا ویسے مطلب تو صرف اسی حدیث میں موجود ہے اور اس سے آگے پیچھے جو روایتیں ہیں ان سب میں وضاحت موجود ہے لیکن کسی وتر والی روایت میں وہ مطلب ہرگز نہیں جو مطلب آپ کے بزرگوں نے محض تقلید کی حمایت میں تاویلات بے جا کے ذریعہ بیان کیا ہے۔

ابن ابی شیبہ کی روایت چونکہ آپ حضرات کی تاویلات باردہ کی جڑ کاٹ رہی ہے اس لئے اس سے

جان چھڑانا ضروری ہے۔ جناب کس قاعدے و اسلوب کے آپ کے بزرگوں نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ دو رکعت کے ساتھ ایک رکعت کو ضم کرتے تھے جب کہ الفاظ حدیث اس ترجمہ کو قبول کرنے سے ابا کرتے ہیں، الفاظ حدیث یہ ہیں "کان یوتر برکعۃ وکان یتکلم بین الرکعتین والرکعۃ" یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت وتر پڑھتے تھے اور دو رکعتوں اور ایک رکعت کے درمیان کلام فرماتے تھے۔ تف ہے ایسی عصبیت پر جو حدیث رسول میں معنوی تحریف سکھائے۔ یہ وہی حدیث ہے جس کی تاویل کرنے میں آپ کے شیخ الشیخ نے چودہ سال گذارے اور چودہ سال کے بعد اس کا جو جواب کشف الستر ص۶۸ پر دیا ہے وہ بھی پڑھ لیجئے "تریدرکعۃ الوتر ورکعتی الفجر۔ الخ۔" یعنی حضرت عائشہ رض کی مراد یہ ہے کہ آپ وتر کی ایک رکعت اور فجر کی دو رکعتوں کے درمیان فصل کرتے تھے۔ گویا چودہ سال کے بعد جو جواب سوجھا وہ بھی ہمارے خلاف نہیں بلکہ ہماری تائید میں ہے۔ وللہ الحمد۔

اسی طرح ان بقیہ روایتوں میں جس طرح بھی وتر پڑھنے کا ذکر وارد ہے وہ اپنے مفہوم میں ناطق ہے تاویل کی ضرورت نہیں۔ ہر ایک پر حسب موقع و محل بآسانی عمل ہو سکتا ہے۔ تاویل کی ضرورت تو وہاں پڑتی ہے جہاں دونوں ایک دوسرے کے متعارض ہوں اور ہر ایک پر عمل ممکن نہ ہو۔ اور روایت بھی ایک ہی ہو اور یہاں ان میں سے کوئی شے نہیں۔ آپ نے جو تنبیہ کرتے ہوئے ابوداؤد کی ایک روایت ذکر کر کے خوشی میں آپے سے باہر ہونے کا مظاہرہ شروع کر دیا ہے۔ یہ آپ کی خوشی نہیں ہے۔ جناب عبداللہ بن قیس سے روایت کرنے والوں میں حضرت معاویہ بن صالح یہ الفاظ روایت کرتا ہے۔ دوسرے نہیں اور اس راوی کے بارے میں حافظ نے تقریب میں فرمایا۔ صدوق لہ اوھام یعنی راوی تو سچا ہے لیکن اس کے بہت اوہام ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس اکیلے راوی کی روایت ثقہ راویوں کی مخالف ہونے کی حالت میں قابل قبول نہیں۔

ویسے بھی یہ روایت اپنی ظاہر منطوق سے حنفیہ کی تائید کے بجائے تردید کرتی ہے اس لئے تاویل کر کے اسے اپنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

میں اللہ رب العزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حنفیوں کے پاس کوئی ایک روایت بھی صحیح ایسی نہیں ہے جو حنفیہ کے ہاں رائج وتر پر دلالت کرتی ہو۔ برخلاف اس کے ہر ایک روایت ہمارے مسلک پر من وعن دال ہے۔ الحمد للہ عروہ کی روایت کے ضمن میں جتنی باتیں مذکور تھیں ہم نے اس پر کامل غور و فکر کیا اور بفضلہ تعالےٰ اس غور و فکر کے بعد یقین کامل سے ہم کہتے ہیں کہ محدثین ہی کا مسلک وتر کے باب میں حق و صواب ہے اور حنفیہ کا مسلک صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا ہم احناف کو للہ فی اللہ یہ مشورہ دیتے ہیں کہ تقلیدی عصبیت کو چھوڑ کر حدیث رسول کی طرف آجائیں۔ اور بے دھڑک حدیث پر عمل شروع کر دیں۔ احادیث رسول امت مسلمہ کی مشترکہ میراث ہے اس سے مشترکہ فائدہ اٹھانے کا حکم ہے تقسیم کر کے الگ الگ کرنے والا مجرم ہے۔ واللہ ھو الھادی (باقی)

## جمعیت شبان اہل حدیث لاہور کی رکن سازی

لاہور میں جمعیت ہذا کی رکن سازی کے لئے جمعیت کے ناظم اعلیٰ محمد یونس چودھری نے جمعیت کے فعال رفیق کار محمد یحییٰ مجاہد کو جمعیت کا آرگنائزر مقرر کیا ہے لہٰذا تمام کارکنان اور عہدیداران جمعیت کی تنظیم نو کے سلسلے میں ان سے مکمل تعاون کریں (شعبہ نشر و اشاعت جمعیت شبان اہلحدیث امیر علی شاعر روڈ پرانی میوہ منڈی۔ لاہور ع ک)

تحریر: السید حامد عبدالرحمن الکاف (جدہ)

(قسط ۳)

# حقوق کے سلسلے میں اسلام کا قاعدۂ کلیہ

"وامرھم شوریٰ بینھم" کا قاعدہ خود اپنی نوعیت اور فطرت کے لحاظ سے پانچ باتوں کا تقاضا کرتا ہے۔

(۱) اجتماعی معاملات جن لوگوں کے حقوق اور مفاد سے تعلق رکھتے ہیں انہیں اظہار رائے کی پوری آزادی حاصل ہو اور وہ اس بات سے پوری طرح باخبر رکھے جائیں کہ ان کے معاملات فی الواقع کس طرح چلائے جا رہے ہیں اور انہیں اس امر کا بھی پورا حق حاصل ہو کہ اگر وہ اپنے معاملات کی سربراہی میں کوئی غلطی یا خامی یا کوتاہی دیکھیں تو اس پر ٹوک سکیں، احتجاج کر سکیں اور اصلاح ہوتی نہ دیکھیں تو سربراہ کاروں کو بدل سکیں۔ لوگوں کا منہ بند کر کے اور ان کے ہاتھ پاؤں کس کر اور ان کو بے خبر رکھ کر ان کے اجتماعی معاملات چلانا صریح بددیانتی ہے جس کو کوئی شخص بھی "امرھم شوریٰ بینھم" کے اصول کی پیروی نہیں مان سکتا۔

۲۔ اجتماعی معاملات کی ذمہ داری جس شخص پر بھی ڈالنی ہو، اسے لوگوں کی رضامندی سے مقرر کیا جائے اور یہ رضامندی ان کی آزادانہ رضامندی ہو۔ جبر و تخویف سے حاصل کی ہوئی، یا تحریص و اطماع سے خریدی ہوئی یا دھوکے اور فریب اور مکاریوں سے کھسوٹی ہوئی رضامندی درحقیقت رضامندی نہیں ہے۔ ایک قوم کا صحیح سربراہ وہ نہیں ہوتا جو ہر ممکن طریقہ سے کوشش کر کے اس کا سربراہ بنے بلکہ وہ ہوتا ہے جسے لوگ اپنی خواہش اور پسند سے اپنا سربراہ بنائیں۔

۳۔ سربراہ کی مشاورت کے لئے وہ لوگ مقرر کئے جائیں جن کو قوم کا اعتماد حاصل ہو، اس کے لیے ایسے لوگ کبھی صحیح معنوں میں حقیقی اعتماد کے حامل نہیں قرار دیئے جا سکتے جو دباؤ ڈال کر یا مال سے خرید کر یا جھوٹ اور مکر سے کام لیکر، یا لوگوں کو گمراہ کر کے نمائندگی کا مقام حاصل کریں۔

۴۔ مشورہ دینے والے اپنے علم اور ایمان و ضمیر کے مطابق رائے دیں اور اس طرح کے اظہار رائے کی انہیں پوری آزادی حاصل ہو۔ یہ بات جہاں نہ ہو، جہاں مشورہ دینے کسی لالچ یا خوف کی بنا پر، یا کسی جتھہ بندی میں کسے ہوئے ہونے کی وجہ سے خود اپنے علم اور ضمیر کے خلاف رائے دیں، وہاں درحقیقت خیانت اور غداری ہو گی نہ کہ "امرھم شوریٰ بینھم" کی پیروی۔

۵۔ جو مشورہ اہل شوریٰ کے اجماع (اتفاق رائے) سے دیا جائے یا جسے ان کے جمہور (اکثریت) کی تائید حاصل ہو اسے تسلیم کیا جائے کیونکہ اگر ایک شخص یا ایک ٹولہ سب کی سننے کے بعد اپنی من مانی کرنے کا مختار ہو تو مشاورت بالکل بے معنیٰ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرما رہا ہے کہ "ان کے معاملات میں ان سے مشورہ لیا جاتا ہے" بلکہ یہ فرما رہا ہے کہ "ان کے معاملات آپس کے مشورے سے طے پاتے ہیں"۔ اس ارشاد کی تکمیل محض مشورہ لے لینے سے نہیں ہو جاتی ہے۔ بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ مشاورت میں اجماع یا اکثریت کے ساتھ جو بات طے ہو، اسی کے مطابق معاملات چلیں [1]

[1] اس سے مستثنیٰ اس قسم کی غیر معمولی اور نادر مثالیں ہیں۔



(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اسلام کے اصولِ شوریٰ کی اس توضیح کے ساتھ یہ بنیادی بات بھی نگاہ میں رہنی چاہیئے کہ شوریٰ مسلمانوں کے معاملات میں مطلق العنان اور مختارِ کل نہیں ہے۔ بلکہ لازمًا اس دین کے حدود سے محدود ہے جو اللہ تعالےٰ نے خود اپنی تشریع سے مقرر فرمایا ہے اور اس اصل الاصول کی پابند ہے کہ تمہارے درمیان جس معاملہ میں بھی اختلاف ہو اس کا فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے۔ اور تمہارے درمیان جو بھی نزاع ہو اس میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو۔ اس قاعدہ کلّیہ کے لحاظ سے مسلمان شرعی معاملات میں اس امر پر تو مشورہ کر سکتے ہیں کہ کس نص کا صحیح مفہوم کیا ہے اور اس پر عملدرآمد کس طریقہ سے کیا جائے تاکہ اس کا منشا ٹھیک طور سے پورا ہو۔ لیکن اس غرض سے کوئی مشورہ نہیں کر سکتے کہ جس معاملہ کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول نے کر دیا ہو اس میں وہ خود کوئی آزادانہ فیصلہ کریں [2]

---

حاشیہ صفحہ گزشتہ ۔ جن میں سربراہ اپنی رائے میں مستحکم یقین کی بنا پر ہی ان کے فیصلے پر عمل درآمد نہ کر سکے ۔ جیسا کہ سیدنا ابوبکرؓ نے مانعینِ زکوٰۃ سے جنگ کے وقت کیا دراں حالانکہ اصحابِ رسولؐ اس پر راضی نہیں تھے بعد میں ان سب کو شرحِ صدر ہو گیا۔ (ج ۔ )

[2] تفہیم القرآن ۔ جلد چہارم صفحہ ۵۰۹ ۔ ۵۱۰ ۔ آخری فقرہ خود شوریٰ اور مشوروں کو ایک مضبوط شرعی حصار میں گھیر لیتا ہے ۔ اس سے امت بحیثیت مجموعی شریعت کے حدود میں عمل پیرا ہونے کی پابند ہو جاتی ہے ۔ سربراہ بھی اہلِ شوریٰ بھی اور عوام بھی ۔ غرض ہر ایک کو شرعی حدود ہی میں رہ کر کام کرنا ہے ۔ کسی کو حق نہیں پہنچتا ہے کہ انہیں توڑے ۔ یا ان میں تبدیلی پیدا کرے یا ان سے تجاوز کرے ۔

## وجوبِ شوریٰ کا ایک اور پہلو

اب تک تو ہم نے وجوب شوریٰ کے شرعی دلائل پیش کئے ہیں ان کے علاوہ اس موضوع کا ایک اور پہلو بھی ہے جس کو وجوب شوریٰ کا تکوینی پہلو کہا جا سکتا ہے ۔

تکوینی اعتبار سے اللہ تعالےٰ نے انسان کو عقل، نطق، تمیز اور ارادہ کی آزادی بخشی ہے اور اسی وجہ سے اس پر ثواب و عذاب کا قانون لاگو فرمایا ہے ۔ حساب و کتاب اور ذمہ داری کا تصور بھی اس سے وابستہ ہے اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ انسان ان صفات اور ان کمالات سے متصف ہونے کی وجہ سے فضیلت کا حامل نہیں بنا ہے تو پھر نہ حساب کتاب ہے، نہ ثواب و عذاب اور نہ جنت و جہنم ۔

اب اگر ہم سب کو بہ اختلاف اور بالاتفاق انسان کے ان صفات سے متصف ہونے پر کوئی شک و شبہ نہیں ہے تو ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا جب کہ ان صفات کا عملی مظاہرہ کرنے کی انسانوں کو آزادی سے پہنچائی جائے ۔ اور وہ بھی حدود شریعت میں رکھتے ہوئے جو ہر فلاح اور ہر صلاح کی ضامن ہے ـــــ اس بات کو مستلزم کرتا ہے کہ ہم انسان کو اس کی اعلیٰ ترین خصوصیات سے محروم کر کے اس کو حیوانوں کی صف میں پہنچانا چاہتے ہیں ۔ انسان انسان رہتے ہوئے اس صورتِ حال کو کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتا ہے ۔ یہ ممکن ہے کہ وہ کچھ عرصے ـــــ دس، بیس، تیس برس تک ـــــ اس صورتِ حال کو طوعًا یا کرھًا برداشت کرے مگر یہ امر یقینی ہے کہ اپنے تکوینی تقاضوں کی بنیاد پر وہ اپنے آپ کو مجبور پائے گا کہ وہ ان اعلیٰ انسانی صفات کا مظاہرہ کرے ۔ یہ عمل ایک بالکل فطری اور طبعی عمل کی طرح ہوگا جس کا روکا جانا ناممکن ہوتا ہے ۔ عمومًا اس روکنے کے نتائج انتہائی بھیانک اور تباہ کن ہوتے ہیں ۔

اس حقیقت کو ایک دو مثالوں سے سمجھا جا سکتا ہے ۔

بیسویں صدی میں ڈکٹیٹروں نے جتنے بھی جابرانہ اور ظالمانہ نظام قائم کیے وہ زیادہ دنوں تک اپنی اصلی حالت پر برقرار نہیں رہ سکے۔ زیادہ سے زیادہ جو ہو سکا ہے وہ یہ کہ ان کی موت کے ساتھ ہی خود ان کے اپنے قریب ترین لوگوں نے ان خوں چکاں نظاموں کو خیرباد کہہ دیا۔ اور بہتر حالات پیدا کرنے اور بہتر ذرائع اور وسائل استعمال کرنے کی کوشش کی۔ اس کی بہترین مثالیں فرانکو کے اسپین اور سالازار کے پرتگال میں ملتی ہیں۔ جونہی ان ڈکٹیٹروں نے آنکھیں بند کیں ان کے قریب ترین لوگوں نے جمہوریت کی طرف پہلا قدم اٹھایا۔ روس میں بھی یہی کچھ ہوا۔ اسٹالین کی موت کے کچھ عرصہ بعد خروشیوف نے اس کے ظالمانہ اور خون آشام نظام اور طریقہ کار کی دھجیاں بکھیر دیں پھر فردی استبداد کے بجائے اجتماعی قیادت کے اصول کو اپنانے کا اعلان کیا۔ اور ان تمام خفی ذرائع و وسائل سے دست برداری کو طریقہ کار بنایا گیا جن کو اسٹالین نے اپنے شخصی اور فردی نظام کو قائم کرنے اور برقرار رکھنے کے لیے استعمال کیا تھا۔ اب روس میں جو ہمہ گیر (TOTALITARIAN) نظام قائم ہے وہ کمیونسٹ نظریہ کا جزو لاینفک ہے جس سے نجات حاصل کرنے کی کامیاب ترین کوشش پولینڈ میں آزاد مزدور تنظیم سالیڈارٹی (SOLIDARITY) نے کی ہے۔ ان کے مطالبات وہی فطری اور تکوینی تقاضوں کا نتیجہ ہیں جن کی وجہ سے انسان حیوان سے متمیز قرار پاتا ہے۔ یہ فطری اور تکوینی تقاضے یہاں اور وہاں کم قوت اور زیادہ طاقت سے کمیونسٹ بلاک میں ظاہر ہوتے رہیں گے اور اس وقت تک جاری رہیں گے جب تک یہ انسان انسان ہے اور وہ حیوان یا مشین بننے پر راضی نہ ہوتا ہو۔

یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ کمیونسٹ نظام خود ان لوگوں کے ہاتھوں بڑی دھوم دھام سے اٹھایا جائے گا جن کا نام لے کر کمیونسٹوں نے اپنے خود ساختہ اور غیر فطری نظام لاکھوں اور کروڑوں لوگوں کی لاشوں پر قائم کئے تھے۔ یہ فطرت کا تقاضا ہے اور یہ قدرت کا فیصلہ ہے۔ اس کو دبایا یا ٹالا تو جا سکتا ہے مگر اسکی مکمل کامیابی میں کبھی بھی شک پیدا نہیں ہو سکتا ہے۔

اس کے برعکس مغربی جمہوریتیں حدود اللہ سے سرتابی کر کے جس بے راہروی کا شکار ہیں وہ بجائے خود سامان عبرت ہیں۔ ان کی منتخب ــــ نام نہاد منتخب ــ مجلس قانون ساز کا کام اب محض یہ رہ گیا ہے کہ وہ ہر غیر فطری عمل کو قانون کا جامہ پہناتے رہیں جیسا کہ برطانوی پارلیمنٹ نے عمل قوم لوط کے بارے میں کیا یا پھر ہر باطل اقدام کو قانونی شکل دیں جیسا کہ امریکی کانگریس اسرائیلی باطل کو حق ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے۔ (باقی)

## تبلیغی پروگرام جمعیۃ اہلحدیث لاہور شہر

### ماہ جنوری ۱۹۸۴ء

| تاریخ | دن | | مقام | مقرر |
|---|---|---|---|---|
| ۱۴ جنوری | بروز ہفتہ | | جامع اہلحدیث شادباغ | مولانا محمد سلیمان انصاری |
| ۱۷ " | " منگل | " | مکین پورہ مغلپورہ | مولانا عبد اللطیف |
| ۲۲ " | " اتوار | " | راج گڑھ | مولانا عبد المجید توحید گنج |
| ۲۵ " | " بدھ | " | درس روڈ باغبانپورہ | حافظ محمد حنیف |
| ۲۸ " | " ہفتہ | " | غازی آباد مغلپورہ | مولانا محمد اسلم علوی |
| ۳۰ " | " سوموار | " | توحید آباد قلعہ لچھمن سنگھ | محمد اسحاق علوی |

جلسے درس قرآن کے بعد نماز مغرب ہوں گے

(شعبہ نشر و اشاعت جمعیت اہل حدیث لاہور شہر)

جناب عطا محمد جنجوعہ

(قسط ۲ آخری)

# قادیانی فتنے کی بیخ کنی، ملکی سلامتی کا ناگزیر تقاضہ

۵۔ قیام پاکستان کے بعد مرزائی اس ملک کی سول اور فوجی دونوں شعبوں کی اہم اور کلیدی آسامیوں پر چھا گئے جنہوں نے مزید قادیانیوں کو اپنے محکموں میں بھرتی کیا۔ جو قادیانی افکار و نظریات پھیلانے میں محرک و معاون ثابت ہوئے۔ مرزائی ملازموں نے قادیانی حکومت کے مقاصد کو سرکاری اُمور پر ترجیح دی۔ کلیدی عہدوں پر فائز مرزائی طبقہ اپنے ماتحت عملہ کو قادیانیت قبول کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ انکار کی صورت میں ان کی ترقیاں روک دی جاتی ہیں۔ اسلام پسند مجاہدین جو ان کے رستہ کی آہنی دیوار بن کر ڈٹ جائیں ان کو بلاوجہ اظہارِ وجوہ کے نوٹس جاری کر دیئے جاتے ہیں۔

پاکستان میں اسلامی نظام نافذ نہ ہونے کی سب سے اہم وجہ مرزائیوں کی کلیدی آسامیوں پر تعیناتی ہے۔ حکومت کی ہر پالیسی کی کامیابی ان کی مرہونِ منت ہو کر رہ گئی ہے۔ مرزائیوں کی وفاداریاں پاکستان کی بجائے ربوہ کے گدی نشین سے وابستہ ہیں۔ مرزائیوں کو کلیدی آسامیوں سے فوراً برطرف کر دیا جائے۔ کیونکہ پاکستان اسلامی ریاست ہے۔ سیکولر سٹیٹ نہیں۔

۶۔ خود مختار ریاست کی بقاء نظریاتی و جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت میں مضمر ہیں۔ نظریاتی تبلیغ کا دار و مدار تعلیم اور اطلاعات و نشریات پر منحصر ہے۔ بنگالی بھائیوں کی نئی پود میں ہندو اساتذہ نے نظریۂ پاکستان کے منافی تعلیم دی۔ کمیونسٹوں نے افغانستان پر حملہ کرنے سے پیشتر فضا کو ہموار کیا۔ تعلیم نئی پود پر دیرپا اثر مرتب کرتی ہے تو ذرائع ابلاغ نئی پرانی سب نسلوں پر اپنا رنگ جماتا ہے۔

پاکستان اسلامی نظریاتی ریاست ہے۔ وطن عزیز کی سلامتی ہمیں جان و مال سے عزیز تر ہے۔ نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لئے تعلیم اور اطلاعات و نشریات کو اسلام اور ملک دشمن عناصر سے پاک رکھنا چاہیئے۔ قادیانی اسلام اور وطن عزیز کے دشمن ہیں۔ ذرائع ابلاغ میں قادیانی ملازم اسلام سے بیزاری اور جنسی بے راہ روی کو جنم دے گا۔ قادیانی اساتذہ ہمارے چمن کی نوخیز کلیوں کو نظریۂ پاکستان کی حقیقت سے آشنا کرے گا۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ ان سے توقع رکھنا یہ دنیا کی سب سے بڑی حماقت ہے۔

جغرافیائی سرحدوں کے تحفظ کی ضمانت دفاع اور اُمورِ خارجہ میں مجاہد، محبِ وطن، زیرک و مخلص عملے پر منحصر ہے۔ دفاع میں عملے کے کسی ایک کارکن کی جاسوسی یا کوتاہی سے تاریخ کا نقشہ تبدیل ہو سکتا ہے۔ اسی قسم کے عناصر نے ٹیپو سلطانؒ اور سید احمد شہیدؒ کو دھوکہ دیا۔

وزارتِ خارجہ میں اگر محبِ وطن افراد تعینات نہ ہوں تو ملک دشمن عناصر سیر و سیاحت یا تجارت وغیرہ کی آڑ میں اندرونِ ملک گھس آتے ہیں۔ ادنیٰ ملازم کی جاسوسی سے خُفیہ راز اور قیمتی دستاویزات دشمنوں تک پہنچ جاتی ہیں۔

نظریۂ پاکستان کی آزادی کی بقاء کے لئے تعلیم اور اطلاعات و نشریات اور جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت

کے لیے دفاع اور خارجہ میں اَدنیٰ آسامی سے لے کر کلیدی عہدوں تک تمام مرزائی ملازموں کو ملازمت سے سبکدوش کر دیا جائے۔

۷۔ قادیانی ملک کی مقبول سیاسی جماعتوں میں شامل ہو کر سرکاری پالیسی سے اختلاف رکھنے والوں کو تخریب کاری اور غنڈہ گردی کے حربے استعمال کرنے پر اُکساتے ہیں تاکہ حکومت اور سیاسی جماعتوں کے مابین مفاہمت کی فضا سازگار نہ ہو اور کسی متفقہ فارمولا تک رسائی نہ ہو۔ علاوہ ازیں یہ لوگ سیاسی جماعتوں کے باہمی اتحاد میں بھی رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔

پاکستان کی تمام سیاسی جماعتوں کو رجسٹرڈ کرتے وقت اس بات کی ضمانت لی جائے کہ قادیانیوں کو اپنی جماعت میں بطور رکن یا نمائندہ شامل نہ کریں گے۔

۸۔ جب کوئی شخص اسلام قبول کرنے کے بعد پھر جائے یا منافقت کی صورت میں کھلے عام یا تحریری طور پر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے اور اس کا راز طشت از بام ہو جائے۔ اسلام میں ایسے مرتد کی سزا قتل ہے۔ اُمتِ محمدیہ کے علماء متفقہ طور پر مرزائیوں کو اسلام سے خارج کر چکے ہیں۔ پاکستان کی قومی اسمبلی نے بھی اس کی توثیق کر دی ہے۔ تعجب ہے کہ قادیانی مختلف حیلوں سے اپنے آپ کو احمدی مسلمان کہتے ہیں تاکہ نومسلموں میں اسلام کا ایک مکتبۂ فکر ظاہر کر کے تبلیغی مشن جاری رکھ سکیں۔

پاکستان میں فوری طور پر قانون ارتداد نافذ کیا جائے تاکہ کوئی قادیانی راہنما اپنے اجتماع میں بیان نہ دے سکے کہ "اسلام خطرہ میں ہے۔ احمدیہ تحریک ہی اس کا دفاع کر سکتی ہے" اور کوئی قادیانی پیروکار زبانی یا تحریری طور پر سرکاری فارموں کے مذہب کے کالم میں احمدی مسلم لکھنے کی جرأت نہ کر سکے۔ اگر کوئی ایسی حرکت کرے تو اس کو سزائے موت دی جائے۔

۹۔ مرزائی اسلامی اصطلاحات و شعائر کا لبادہ اوڑھ کر ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اسلامی تعلیمات سے نابلد لوگ ان کے مکر و فریب کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ قانونی طور پر مرزائیوں پر پابندی عائد کی جائے کہ وہ اسلامی اصطلاحات و شعائر کو استعمال کرنا بند کر دیں۔

i۔ مرزائیوں کا غلام احمد کے نام علیہ السلام، مرزا کی بیوی کو اُم المؤمنین اور مرزا کے زمانے کے مرزائیوں کو رضی اللہ پکارنا یا لکھنا مذہب اسلام کی توہین ہے۔

ii۔ خلیفہ کا اطلاق مسلمانوں کے دینی و دنیوی راہنما پر ہوتا ہے۔ پھر مرزائیوں کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ مرزا کے گدی نشینوں کو خلیفہ کے لقب سے پکاریں۔

iii۔ دنیا کی مختلف مذاہب کی عبادت گاہوں کے نام اور ہیئت و شکل ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ جن میں سے کسی کا نام لینے یا شکل دیکھنے سے فوراً سمجھ آجاتی ہے کہ یہ کس مذہب کی عبادت گاہ ہے۔ مسجد کا نام لینے یا عمارت دیکھنے سے پختہ خیال قائم ہو جاتا ہے یہ مذہب اسلام کی عبادت گاہ ہے۔

مرزائیوں کا اپنی عبادت گاہوں کو مسجد کی طرز پر تعمیر کرنا اور اسے مسجد کے نام سے پکارنا مکر و فریب ہے۔ مرزائیوں کو عبادت گاہ کی ہیئت تبدیل کرنے پر مجبور کیا جائے نیز اپنی عبادت گاہوں کو مسجد کی بجائے کسی اور نام سے پکاریں چاہے مرزا خانہ رکھیں یا کوئی اور۔

۱۷۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی سورۃ بقرہ آیت ۲۶۵ (کَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ) میں اہل ایمان کے صدقات و خیرات کے اجر و ثواب کو تمثیلی پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔ پاکستان میں "ربوہ" کے نام سے شہر آباد ہے۔ جہاں کی غالب آبادی مرزائی ہیں۔ پسماندہ ملکوں کے نومسلموں میں مرزائی ربوہ کی فضیلت قرآن حکیم کی آیت مذکورہ سے پیش کرتے ہیں۔ مرزائی چونکہ اہل ایمان کی صف سے خارج ہیں انہیں ربوہ کی رعایت لفظی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا حق نہیں پہنچتا۔ "ربوہ" کا نام فوری طور پر تبدیل کیا جائے۔

۱۰۔ مرزائی دینی جماعتوں میں فروعی اختلافات کو ہوا دیتے ہیں۔

(باقی صفحہ ۲۳ پر)

سِیَر و سوانح　　پروفیسر مولانا محمد مبارک صاحب، کراچی

(قسط ۲)

# الشیخ عبدالحق بنارسیؒ

## الشیخ بنارسیؒ پر اتہامات کی وضاحت

"شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" کے مصنف مزید لکھتے ہیں۔

"مگر وہ لوگ جو نجدی اور یمنی علماء کے شاگرد تھے، باز نہ آئے اور انہیں لوگوں کے بے جا اصرار نے مشکلات پیدا کر دیں۔ امیر شہیدؒ نے ان کے رہنما کو جو مولانا محمد اسماعیل اور امام شوکانی دونوں کا شاگرد اور زیدی شیعہ تھا۔ اپنی جماعت سے نکلوا دیا مگر فساد کی آگ پھر بھی بھڑکتی رہی"

اس عبارت میں مصنف کا اشارہ شیخ عبدالحق بنارسی کی طرف ہے، اس میں انہوں نے مولانا بنارسی پر متعدد الزامات لگائے ہیں۔ مثلاً

(۱) الشیخ عبدالحق رح اور ان کے ہمنوا جو اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر شئی میں مقدم رکھتے تھے۔ رفع الیدین کرنے سے باز نہیں آئے جس کی وجہ سے مجاہدین کے لئے مشکلات پیدا ہوتی رہیں۔

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ احناف کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے اس قدر بغض کیوں ہے؟ انہوں نے تو صرف مشکلات ہی پر اکتفا کی ورنہ ایک ماہر تعلیم اور سابق شیخ الجامعہ کراچی نے لکھا ہے۔

"قبائلی کٹر حنفی تھے اور سنانہ کے ارکان میں بعض پرجوش مصلحین نے جو تبدیلیاں کی تھیں انہیں وہ معترضانہ نظر سے دیکھتے تھے"[۱]

سابق شیخ الجامعہ کراچی اور ماہر تعلیم کی تحقیق یہ ہے کہ رفع الیدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل نہیں بلکہ جماعت مجاہدین میں بعض پرجوش مصلحین نے اس کی ابتداء کی ہے حالانکہ یہ دعوٰے احادیث سے عدمِ واقفیت کا نتیجہ ہے۔ متعدد احادیث صحیحہ سے رفع الیدین کی سُنّیت ثابت ہے اور ان راویانِ احادیث رفع الیدین میں سے دو صحابی راوی ایسے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری عمر تک رفع الیدین کرتے دیکھا۔

۱۔ مالک بن الحویرثؓ نے جو ۹ھ میں اسلام لائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع الیدین کرتے دیکھا۔

۲۔ وائل بن حجرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات سے چھ ماہ قبل رفع الیدین کرتے دیکھا۔

حقیقت یہ ہے کہ سابق شیخ الجامعہ کراچی اور احناف کے سرخیل لیڈر دونوں کی بات میں کوئی وزن نہیں کیونکہ تحریک جہاد کو نقصان صرف اس وجہ سے پہنچا کہ ہمارے اہل وطن نے توحید خالص کو کبھی قبول نہیں کیا۔ جس پر جناب دیوان امرناتھ صاحب نے روشنی ڈالی ہے وہ لکھتے ہیں:۔

سید احمد نامی از بریلی واقع ہند اسم اعظم یافتہ بر سر گرگونگی برآمد۔ قطع نظر از کو کلیان بر احمدیان نیز تسویلات بستہ از زیارت قبور اولیاء و از کیا دگذرانیدن نذر و افروختن چراغ در خلوتکدہ آں کہن خوابیدگان بیاد قدس مانع آمد چنانچہ بسیارے را بکشف و برکات اسم اعظم زیاد را آوردہ۔ نواب میر خاں را نیز مرید ساخت۔ و در ہندوستان عام نجدی برافراختہ۔ بر سر جہاد شدہ و از آنجا در ہر ملکے رسیدہ بسیارے را در مسلمین ہمراہ کردہ۔ اہل اسلام این مذہب را وہابیہ نامندہ۔ متروک آئین ایں قوم جبہ زیارت گاہ ہند کہ از قدیم سجدہ گاہ اہل کشف و برہان اند برآں اطلاق ایں گونہ خیالات چنان گفتہ اند[۲]

[۱] برِعظیم ہند و پاک کی ملتِ اسلامیہ ص۲۶۔

[۲] ظفر نامہ رنجیت سنگھ، طبع لاہور ۱۹۲۸ء ص ۱۴۳ تا ۱۴۴

ترجمہ :۔ میر احمد نامی شخص جو ہندوستان کے شہر بریلی کا رہنے والا تھا۔ اسم اعظم کا حامل تھا۔ اس نے عجیب کام دکھائے مقامی (سرحدی) لوگوں سے قطع نظر اس نے اپنے احمدی گروہ سے بھی فریب کاری کی۔ اس نے لوگوں کو اولیاء واذکیا کی قبروں کی زیارت کرنے، ان پر نذر نیاز دینے اور ان عالم قدس میں سوئے ہوئے بزرگوں کے مزاروں پر چراغ جلانے سے منع کیا۔ چنانچہ اس نے بہت سے لوگوں کو اسم اعظم کے کشف اور برکات کی مدد سے اپنے عقاید سے بھٹکا دیا۔ (ٹونک کے) نواب میر خاں کو اس نے مرید بنالیا اور اس طرح ہندوستان میں محمدی جھنڈا لہرا کر جہاد شروع کر دیا۔ وہاں سے وہ ہر ملک میں پہنچا اور بے شمار لوگوں کو اپنے مسلمانوں (مریدوں) میں شامل کر لیا۔ اہل اسلام اس مذہب کو وہابی کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس قوم (جماعت) نے اصلی آئین کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ ہندوستان کی زیارت گاہ جو قدیم ایام سے اہل کشف و برہان کی سجدہ گاہ رہی ہے۔ اس میں اس قسم کے خیالات کا اطلاق کیونکر ہو سکتا ہے؟

اس کے بعد لکھتے ہیں :۔

"مولوی عبدالحی و مولوی اسماعیل از مریدانش فتنۂ روزگار و در تمام ہندوستان بہ بحث سنگرف استعار دیاد گار آں سرزمین بودند بشرف ملازمتش تفوق جستند۔ از راہ شکارپور دارالملک کابل رسیدہ مردم آں نواحی را لجہاد بر داشتند گروہ ہا گروہ مردم مسلمین بروگرد آمدہ۔ غازیان از پکھلی و دنتور و بنگشات و سواد۔ بنیر و تیرہ فراہم آمدند یار محمد خان بحکمت عملی در ملک خودخرابی دیدہ بمقتضائے مصلحت خود را نیز مرید ساخت۔ چوں از بیعت ظاہرش تسلی میر احمد گشت بمقابلہ حضور والا سپاہ خود را ترتیب دادہ خیالات واہیہ را بلندی بدماغ دادند[1]

"اس کے مریدوں میں سے مولوی عبدالحی اور مولوی اسماعیل جو تمام ہندوستان میں اپنے وقت کا بڑا فتنہ تھے اور بحث و تکرار میں ماہر تھے۔ اس کی صحبت میں اور بڑے بن گئے (یہ لوگ) شکارپور کے راستہ کابل پہنچے اور اس علاقے کے لوگوں کو جہاد کے لیے آمادہ کیا مسلمانوں کے گروہ کے گروہ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ پکھلی۔ دنتور، بنگشات، سوات، بنیر اور تیرہ سے غازیان اسلام جمع ہونے لگے تو یار محمد خاں بھی اپنے ملکی انتشار کو محسوس کرتے ہوئے مصلحتاً ان کا مرید ہو گیا۔ جب اس کی ظاہری بیعت سے میر احمد کی تسلی ہو گئی تو اس نے ان کے مقابلے میں اپنی فوج کو مرتب کرنا شروع کیا۔ اس سے اس (میر احمد) کے بیہودہ خیالات میں مزید اضافہ ہو گیا۔" (لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ نقل کفر کفر نباشد)۔

کیا یار محمد خان بھی رفع الیدین کرتا تھا؟ جس نے منافقانہ طور پر تو سید احمد شہیدؒ بریلوی کی بیعت کی لیکن باطن میں مخالف رہا۔ اس کے بعد دیوان امرناتھ تحریر کرتے ہیں :۔

چوں ازیں طرف اژدہائے آتش بار د سنگھان جانفدا و مقہوران ہر دیار و راجپوتان جاں نثار بر سر بازی آمدہ بر حملہ ہا گردانلا آمد۔ بسیارے از مسلمین بخاک خواری دگروہ ہا گروہ از آں قوم نافہم بطمورہ نگونساری افتادند۔ و ہر چند غازیان نیز داد جلادت دادہ۔ از سر بازی منہ نپشیدہ اند۔ اما غافل از اقبال ایں خدیو آفاق کہ ستارہ طالعش سنگ تفرقہ در آئینۂ خاطر جمعیت اعدا انداز د۔ یار محمد خان از ہیبت گولہ باری چوں مقدمۃ الجیش بود۔ در عین ہنگامہ جدال و قتال کہ بسیارے از یاد رجیع کشیرا بدریا رفتند[1]

[1] ظفر نامہ رنجیت سنگھ طبع لاہور ۱۹۲۸ء ص ۱۷۵

[1] ظفر نامہ رنجیت سنگھ طبع لاہور ۱۹۲۸ء ص ۱۷۵

(یہ جنگ شیدو کا واقعہ ہے جس میں یار محمد خاں نے نہ صرف جنگ[2] سے فرار اختیار کیا تھا بلکہ سید صاحب کو کھانے میں زہر بھی دلوایا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی۔ الاعتصام)

"جب (ہماری) طرف سے آگ برسانے والے ہتھیار، جاں باز سکھ، ہر علاقے کے بہادر اور جاں نثار راجپوت میدانِ جنگ میں آئے اور حملہ آور ہوئے تو مسلمان خاک و خون میں تڑپنے لگے اور اس ناسمجھ قوم کی بہت سی جماعتوں نے ذلت آمیز شکست کھائی۔ اگرچہ غازیانِ اسلام نے بھی بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا اور سرفروشی میں کمی نہیں لیکن وہ اس تاجدارِ عالم رنجیت سنگھ کی اقبال مندی سے واقف نہیں تھے جس کی قسمت کا ستارہ دشمنوں کے دل کے آئینے کو پاش پاش کر دیتا ہے۔ یار محمد خاں جو مقدمۃ الجیش میں تھا گولہ باری کے خوف سے عین ہنگامہ کار زار میں بھاگ کھڑا ہوا۔ اس طرح ایک انبوہ کثیر دریا کی طرف بھاگ گیا۔"

دیکھا! یار محمد خاں نے کس طرح دھوکہ دیا۔ بھلا ایک مشرک اور توحیدِ خالص کا دشمن اسلامی حکومت قائم کرنے میں کیونکر مددگار ہو سکتا ہے۔؟

یار محمد خان کے متعلق اور ملاحظہ فرمائیں۔

"چوں امین خلیفہ و یار محمد خان ناظم پشاور دگرگونگی حال بود مردم افغان یار محمد خان را از دین برگشتہ و بمذہب خالصہ جی پیوستہ می گفتند و بر سر جادلت آمدہ سرکار والا اور از مغتنمات شمردہ از حرکات شان غافل می بودند۔ کنور تارا سنگھ بعد از تحصیل زر نذرانہ سعادت حضور اندوخت۔ و نذر و نصائح کہ حلقہ گوش شاہان والا تبار باشد۔ از حضور شنیدہ چندے بلیت و لعل میگذرانید[1]"

"جب خلیفہ اور یار محمد خان ناظم پشاور کے درمیان اختلافات رونما ہوئے تو افغانی لوگ کہا کرتے تھے کہ یار محمد خان اپنے دین سے منحرف ہو گیا ہے اور خالصہ مذہب سے وابستہ ہو گیا ہے لہٰذا وہ اس سے لڑنے پر آمادہ تھے۔ سرکارِ والا رنجیت سنگھ نے اس صورتِ حال کو غنیمت سمجھا اور اس کی حرکات سے چشم پوشی کی (کنور تارا سنگھ نے زرِ نذرانہ وصول کر کے (دربار میں) حاضری کی سعادت حاصل کی۔ حضور سے وہ نصائح سن کر جو بادشاہوں کی حلقہ بگوشی کا لازمہ ہوتی ہیں تھوڑی سی لیت و لعل کے بعد نذرانہ پیش کر دیا) (باقی)

[1] ظفر نامہ رنجیت سنگھ طبع لاہور ۱۹۲۸ء ص ۱۷۹

## بقیہ: قادیانی فتنے کی بیخ کنی

جلسوں میں گڑبڑ پھیلا کر نفرت کی آگ بھڑکاتے ہیں۔ تاکہ ملک میں احیائے اسلام کے لیے متفقہ فارمولا پر عمل پیرا نہ ہو سکیں۔

علماء حق سے دردمندانہ التماس ہے کہ فروعی اختلافات سے بالاتر ہو کر پاک سرزمین میں قرآن و سنت کی شمع روشن کرنے کے لیے متحد ہو جائیں۔ ناموسِ رسالت کے پاسبان بن کر قادیانیوں کے مذموم عزائم کو بے نقاب کریں۔ تاکہ پاکستان میں دوسرا اسرائیل نہ بننے پائے۔ یہ مہم قادیانیوں کے خلاف اس وقت تک جاری رکھی جائے جب تک وہ اعلانیہ طور پر خود کو غیر مسلم تسلیم نہ کر لیں یا توبہ کر کے واپس اسلام میں داخل نہ ہو جائیں۔

## درخواست دعائے صحت

حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف مدظلہ کی صحت بحمداللہ پہلے سے کافی بہتر ہے مگر نقاہت بہرحال موجود ہے۔ قارئین کرام ان کی صحت کاملہ کے لئے دعاؤں کا سلسلہ جاری رکھیں۔ (ادارہ)

اعلیٰ کوالٹی ۔ پائیداری میں بے مثال
زینت اور زیبائش میں لاجواب
اعلیٰ معیار کی ضمانت
سٹیزن
اور موٹریں
تیار کردہ سٹیزن الیکٹریکل انڈسٹریز لمیٹڈ

ملکی صنعت کو فروغ دیجئے کر زرِ مبادلہ بچائیے
آپ کی سہولت کے لیے کپڑے دھونے اور نہانے کے صابن
ہر وقت دستیاب ہیں
کستوری (مسک) ٹائیلٹ سوپ
پنجاب سپیشل سوپ
پنک روز ٹائیلٹ سوپ
پپیہا ٹائیلٹ سوپ
تیار کردہ
پنجاب سوپ فیکٹری، سرکلر روڈ بیرون شیرانوالہ گیٹ لاہور
PHONES: 200661 - 200662

یونین فین
فرحت اور تسکین کے لیے
زیادہ ٹھنڈی ہوا کے لیے
مضبوطی اور پائیداری کے لیے
یونین فین
تیار کردہ
نثار اللہ الیکٹریکل انڈسٹریز حافظ آباد روڈ گوجرانوالہ

اعلےٰ کوالٹی اور پائیداری میں بے مثال
بیکو پنکھے رجسٹرڈ
سیلنگ ○ پیڈسٹل ○ ٹیبل کم پیڈسٹل ○ اگزاسٹ فین
خوبصورت پائیدار اور کم خرچ بے آواز
دستیاب ہیں
فون نمبر ۴۴۲۷ ، ۵۵۲۷
تیار کردہ بیکو انجینئرنگ کمپنی مین روڈ کھرچالہ گوجرانوالہ